بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۰ | ماہ مئی ۲۰۱۲ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ | شمارہ نمبر ۵

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۷
۳	نبوّت اور بشریت	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۱۳
۴	مسئلہ تقلید کے بارے میں کچھ اصولی باتیں	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۲۱
۵	مناجات	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	۳۴
۶	عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان	مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی	۳۵
	معہد الامام ولی اللہ الدھلوی ایک طالب علم کی نظر میں	مولوی محمد اکرم قاسمی	۴۷

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

درج ذیل مقامات میں الفرقان کی توسیع اشاعت کی ذمہ داری جن حضرات نے قبول کی ہے ان کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں۔ ان مقامات اور قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱- اورنگ آباد	مولانا انیس الرحمٰن ندوی	(0)9423456752
۲- مالیگاؤں	مولانا حسنین محفوظ	(0)9226876589
۳- بیلگام	مولانا تنویر صاحب	(0)9880482120
۴- بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	(0)9898610513

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ: بلال سجاد نعمانی

E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان — عمومی 180 روپے

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان — خصوصی خریداران 400 روپے

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان (وی پی سادہ) 210 روپے

☆ سالانہ چندہ برائے پاکستان، پاکستان میں -/1200 ہندوستان میں -/750 روپے

☆ بیرونی ممالک بذریعہ ہوائی جہاز -/20 پاؤنڈ -/40 ڈالر خصوصی خریداران -/30£

لائف ممبر شپ فیس: ہندوستان -/5000 روپے، بیرونی ممالک 500 پاؤنڈ 1000 ڈالر

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD, LONDON N4 3DW (U.K) ,Fax & Phone : 020 72721352

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ادارہ اصلاح وتبلیغ، آسٹر یلین بلڈنگ لاہور۔ (فون: 7663896 - 7655012)

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ - 226018

فون نمبر: 0522-4079758 e-mail : alfurqan_lko@yahoo.com

خلیل الرحمٰن سجاد کے لئے پرنٹر وپبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ رنیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ

نگاہ اولیں

[آپ اِس مرتبہ اِن صفحات میں جو تحریر پڑھیں گے وہ تقریباً ستاون (۵۷) سال پہلے برادر گرامی قدر حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کے قلم سے نکلی تھی، اور الفرقان: صفر ۱۳۷۶ھ کے شمارے میں اِن ہی ادارتی صفحات میں شائع ہوئی تھی ——— جس ضرورت کے تحت اس وقت یہ مضمون لکھا گیا تھا، بلاشبہ آج کل وہ اور زیادہ بڑھ گئی ہے ——— اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ایک اسلامی تحریک کی قیادت، دین کی تفہیم وتشریح کا جو انداز اختیار کرتی جارہی تھی اس سے دین کا حلیہ اور امت کا قبلہ بدل رہا تھا، اور امت کا علمی تسلسل مشکوک ہورہا تھا، اس وقت جب اس سنگین غلطی کی اصلاح کے لئے اہل قلم کچھ لکھتے یا بولتے تھے تو آواز بلند کی جاتی تھی کہ یہ وقت اختلافی بحثوں میں الجھنے کا نہیں ہے اس لئے کہ اسلام بیرونی حملوں کی زد میں ہے ——— آج جب کہ یہ مضمون دوبارہ شائع کیا جارہا ہے اسی طرح کی صورت حال ہے، بلکہ بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے فتنے زوروں پر ہیں اور دین حق کی حفاظت کی کوشش کرنے والوں کو وہی پرانی بات کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے اہل علم وفکر حضرات اس مضمون کا بغور مطالعہ فرمائیں گے ——— مدیر]

''اصل دین ہی خطرے میں اور عصری طوفانوں کی زد میں ہے، ایسے میں اختلافی بحثیں چھیڑنا اور باہمی مباحثوں پر وقت صرف کرنا انتہائی ناعاقبت اندیشی اور دینی محاذ کو کمزور کرنے کے مترادف ہے''۔

اس قسم کی نصیحتیں ہیں جو آج کل بہت سننے میں آرہی ہیں، اور یہ فی الاصل ہے بھی صحیح بات! مگر صحیح باتیں اگر غلط محل میں استعمال کی جانے لگیں تو وہ انتہائی خطرناک اور گمراہ کن بھی ہوجاتی ہیں، ''إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ'' بالکل صحیح بات اور قرآن کی بیان کردہ حقیقت تھی، مگر اسی کو خوارج نے جب غلط محل میں استعمال کیا تو وہ اسلام میں ایک شدید فتنہ بن گیا اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو کہنا پڑا کہ ''**كلمة حق أُريد بها الباطل**'' یہ فی الاصل کلمۂ حق ہے، مگر اس کا استعمال جس مقصد کے لئے کیا جارہا ہے وہ باطل ہے۔

اسی طرح وہ ''کلمہ'' جو اوپر نقل کیا گیا، اصلاً حق ہے، مگر اس کے استعمال میں بہت سے لوگ غلطی اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے نظر آرہے ہیں۔

مسائل کی ایک نوع وہ ہے جن پر آدمی کی ایک رائے ہونی چاہئے، مگر دوسری رائے کی بھی وہاں گنجائش ہوتی ہے، اس لئے اپنی رائے پر اعتماد کے باوجود کسی دوسری رائے کی بھی گنجائش تسلیم کی جانی چاہئے اور تبادلۂ خیالات ہو تو ہو مگر بحث ونزاع کی صورت ہرگز نہ اختیار کی جائے۔ اس کی مثال فقہ کے وہ مسائل ہیں جن میں دونوں طرف کے دلائل موجود ہیں، معاملہ کسی دلیل کی ترجیح وغیرہ کا ہوتا ہے، یا جیسے آج کل دین کی خدمت ونصرت میں بہترین طریقِ کار کا مسئلہ کہ اس میں مختلف رائیں ہوسکتی ہیں۔

ایک نوع وہ ہے جہاں ایک رائے کے سوا دوسری رائے کتاب وسنت کے خلاف اور دوسرا مسلک از قبیل منکرات وبدعات ہوتا ہے، اور تبادلۂ خیالات سے کام نہ چلتا ہو تو فی نفسہ لازم ہے کہ اس کی تردید کی جائے، لیکن اگر وقت ایسا ہے کہ ان مسائل سے اہم تر مسائل درپیش ہیں اور ان سے عہدہ برا ہونے کے لئے امت کے تمام دینی رجحان رکھنے والے عناصر کے اتفاق اور تعاون وتناصر کی اور اس کی بات کی ضرورت ہے کہ امت کی عام توجہ ان ہی اہم تر مسائل کی طرف رہے تو ان غلط خیالات واعمال کی اصلاح کی حکیمانہ کوشش تو بہرحال جاری رہنی چاہئے لیکن برملا تردید اور نزاع کی نوبت بیشک نہیں آنی چاہئے۔

مسائل کی یہ دونوں انواع فروع سے تعلق رکھتی ہیں، اور ان میں واقعی یا اضافی (یعنی دوسرے نقطۂ نظر سے) غلطی کا اثر محض کسی ایک جزئیہ تک محدود رہتا ہے، لیکن بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کا اثر پورے دین کی یا دین کے بڑے حصے کی سلامتی پر پڑتا ہے۔ اور ان میں اگر کوئی غلط اصول قائم ہونے دیا جائے تو بجائے دشمنوں کے خود اپنوں ہی کے ہاتھوں اور بجائے بدنیتوں کے خود مخلصین ہی کے ہاتھوں دین کا حلیہ بگڑ کر رہ سکتا ہے، مثلاً ایک شخص الحاد اور دہریت کے عصری طوفان کے مقابلہ میں اسلام کا علم بردار ہے اور اسلامی نظام فکر اور عمل ہی میں انسانیت کی نجات سمجھتا ہے، مگر یہ اصول ساتھ لے کر چلتا ہے کہ خلیفۂ وقت مقتضیات زمانہ کے تحت دینی احکام کی ان تمام شکلوں میں ترمیم کرسکتا ہے جو قرآن میں منصوص نہیں ہیں، ظاہر ہے کہ اس شخص کے اس خیال کو فروعی اختلافات پر قیاس کرکے اور یہ سوچ کر کہ یہ وقت آپس میں لڑنے

کا نہیں ہے، نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ اصول؛ دین کے ایک بڑے حصے کو تلپٹ کر کے رکھ دے گا۔ علیٰ ہٰذا جو بھی شخص اور جو بھی دینی گروہ اس طرح کا کوئی غلط اصول قائم کرتا ہے وہ خواہ عصری طوفانوں کے مقابلے میں ''اصل دین'' کے لئے کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو، اس کی اس غلطی اور اس زیغ سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

اگر آپ کے گھر پر، محلہ پر، یا شہر پر باہر سے کوئی حملہ ہو رہا ہو، اور اندر آپ ہی میں کا کوئی شخص بیوقوفی سے یا بھول چوک سے کسی حصے میں آگ لگا دے، تو کون عقلمند ہوگا جو کہے کہ پہلے بیرونی حملہ پسپا کر دو، آگ بعد میں بجھانا؟ ظاہر ہے کہ اہل خانہ، اہل محلہ یا اہل شہر کو دونوں کام ساتھ ساتھ کرنا پڑیں گے اور یہی دانشمندی اور عاقبت اندیشی ہے! کوئی کہنے لگے کہ بیرونی حملہ پسپا نہ ہوا اور دوسری طرف توجہ کی وجہ سے قوت مدافعت کمزور پڑ گئی تو آگ سے جو کچھ تم بچاؤ گے اس سے بھی محروم ہو جاؤ گے، اس لئے کہ وہ دشمن لے اڑے گا، لہٰذا سب یکسو ہو کر بیرونی مورچے ہی پر ڈٹے رہو تا کہ آگ سے جو کچھ خود بچ رہے (جیسے سکے اور معدنیات وغیرہ، بلکہ خود وہ زمین جس پر از سر نو تعمیر کی جا سکتی ہے) وہ تو تمہارا رہے، بتائیے کون ہے جو اس منطق کو قبول کرلے گا؟ اسی طرح یہ منطق بھی سخت تباہ کن ہے کہ فلاں اصول سے زیادہ سے زیادہ نظامِ عمل میں کچھ فتور پیدا ہو جائے گا مگر یہ جو الحاد اور بے دینی کا سیلاب ہے اس میں تو ایمانیات اور اساسات دین تک کی خیر نہیں۔ پس پہلے اس کو روکو، اندر کے فتنوں کی بعد میں خبر لینا۔

یہاں ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کا خطرناک اصول اگر کوئی ایسا شخص پیش کرتا ہے جس کا اہلِ دین میں کوئی خاص وقار اور کوئی خاص وزن نہیں ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق اہمیت کے باوجود اتنی توجہ اور اتنی فکر کا مستحق نہیں ہے جتنی توجہ اور جتنی فکر کا مستحق ایسا کوئی وہ اصول ہے جو کسی ایسی شخصیت کی طرف سے پیش کیا جائے جسے اہل علم کی نظر میں کوئی خاص وزن اور کسی دینی طبقے کی نظر میں دینی اتھارٹی کی حیثیت حاصل ہو، ایسے کسی شخص سے ایسی کوئی بات سرزد ہوتی ہے تو اُس پر اُسے ٹوکنا خصوصیت کے ساتھ زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک بڑی جماعت کی گمراہی کا خطرہ یقینی ہے۔

ہاں اب یہ اُس شخص کا اور اُس کے حامیوں کا فرض ہے، اگر وہ مخلص ہیں، کہ انہیں اگر کسی بات پر ٹوکا جاتا ہے تو وہ اس کو نزاع کی صورت نہ دیں، تاکہ حتی الامکان اور کسی بھی حد تک اتحاد وتعاون کی گنجائش باقی رہ سکے لیکن اگر وہ ''اخذتہ العزۃ بالاثم'' کا مظاہرہ کرنے لگ جائیں اور ایک اصولی اختلاف کو زبردستی ذاتی عناد کا نتیجہ قرار دے کر'' تنابزوا بالالقاب'' کی مہم شروع کردیں تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اتحاد وتعاون کی گنجائش برقرار رکھنا کسی بھی شخص کے بس کی بات نہیں۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری اسی شخص پر ہے جو بحث کو ایک غلط رنگ دے۔ ——— تاہم یہ ممکن ہے کہ دوسرا شخص ضبط وتحمل سے کام لے کر، اپنی حد تک فضا کو زیادہ خراب ہونے سے بچانے کی کوشش کرے۔

لیکن اس کے بعد اگر یہ درجہ آجائے کہ حق واضح ہوجانے پر اور اس کی شہادتیں چاروں طرف سے ہویدا ہوجانے پر بھی آدمی اپنی بات کی پچ میں پینترہ بازی دکھائے اور اپنی ساری ذہانت، ساری استدلالی قوت اور تقریر وتحریر کی تمام تر مہارت ایک باطل کو حق بنادینے میں صرف کرنے لگے، کتاب وسنت کا غلط استعمال کرے اور فقہاء ومحدثین کے بیانات کو بے محل استعمال میں لائے، اور اس طرح ایک اصولی گمراہی کے ساتھ ساتھ دس جزئی علمی ودینی غلط فہمیاں لوگوں میں پیدا کرے تو ہرگز روا نہیں ہے کہ اس کے ساتھ ادنی رعایت کی جائے، وہ اگر عصری طوفانوں کے مقابلہ میں ''اصل دین'' کے حفاظت کی کوئی بڑی خدمت بھی انجام دے رہا ہے اور ان طوفانی لہروں کی تخریب کے مقابلے میں تعمیر نَو کا علم بردار ہے، تو لوگ ایسی تعمیر کو لے کر کیا کریں گے جس میں کتنی ہی خرابیوں کی صورتیں پیشگی مضمر ہوں؟ اور جس کا معمار اس بات کا روادار ہو کہ محض اپنے وقار کی خاطر دین کے کتنے ہی حصے کو کسی وقت خود اپنے ہی ہاتھوں مسخ کردے۔ تَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ

☆☆☆

اسلام کی مستند اور معتبر فہم حاصل کرنے کے لئے
اور اندرونی وبیرونی تمام حملوں اور سازشوں سے آگاہ رہنے کے لئے
الفرقان کا مطالعہ کیجئے اور اس کے پیغام کو عام کیجئے
آپ انٹرنیٹ پر بھی الفرقان پڑھ سکتے ہیں، لاگ آن کیجئے
www.taubah.org

محفل (۱۱۵) سورۃ النساء (۲۰)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

عورتوں سے متعلق بعض گزشتہ احکام کے سلسلہ میں ایک وضاحت

اور میاں بیوی کے ناہموار تعلقات کے مسئلہ میں بہتری کی رہنمائی

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝۱۲۷ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۲۸ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝۱۳۰

ترجمہ

لوگ فتویٰ تم سے پوچھتے ہیں عورتوں کے باب میں، کہو کہ اللہ تم کو فتویٰ اُن کے

بارے میں دیتا ہے اور وہ (آیتیں) جو قرآن میں تمھیں سنائی جارہی ہیں اُن یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہیں جنھیں تم وہ (حق) نہیں دیتے جو لکھدیا گیا ان کے لئے ہے اور چاہتے ہو کہ نکاح میں ان کو لاؤ، نیز بے سہارا بچوں کے بارے میں، اور حکم دیتا ہے کہ انصاف پر قائم یتیموں کے ساتھ رہو۔ اور مزید جو کچھ بھلائی تم کروگے تو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے (۱۲۷)

اور کوئی عورت اگر اپنے شوہر سے بے التفاتی کا اندیشہ کرے تو کوئی گناہ اُن دونوں پر اس بارے میں نہیں کہ کسی طور پر صلح آپس میں کرلیں۔ اور صلح بہتر ہے۔ اور طبیعتوں سے حرص جڑی ہوتی ہے۔ اور اگر تم حسنِ سلوک اپناؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو جو کچھ تم کرو اللہ اس سے خوب باخبر ہے (۱۲۸) اور تمہارے بس میں نہیں کہ تم عدل بیویوں کے درمیان کرسکو، اگرچہ کیسے ہی خواہشمند ہو۔ سو (اتنا ضرور کرو کہ) ایک ہی طرف کو کُلّیۃً نہ ڈھلک جاؤ کہ دوسری کو اَدھر میں لٹکی کی طرح چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرلو اور تقویٰ کی راہ لے لو تو اللہ بے شک بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہوتے ہیں تو بے نیازی ہر ایک کو اللہ بخشدے گا اپنے فضل کی وسعت سے۔ اور اللہ وسعت والا حکمت والا ہے (۱۳۰)

ربطِ کلام

سورہ کا بنیادی مضمون عورتوں اور یتیم بچوں کے مسائل تھے، انہی سے سورہ کا آغاز ہوا تھا۔ ان میں بہت کچھ انقلابی نوعیت کے احکام آئے تھے، معاشرہ کے لئے بہت کچھ اجنبی۔ پس رفتہ رفتہ کچھ سوالات پیدا ہونے تھے۔ اسی سلسلہ کے سوالات تھے جن میں سے بعض جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جواب کے لئے پیش کئے گئے، جیسا کہ آیت کے الفاظ ''وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ط'' بتاتے ہیں، تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وضاحت کے لئے آیات آئیں: قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ ہاں سوال کیا تھا اور جوابی وضاحت کیا ہے؟ اردو کی جو چھوٹی بڑی مختلف تفاسیر ہاتھوں میں ہیں ان میں اس سوال کے مختلف جواب ملتے ہیں۔ اور اس کی وجہ وہی بار بار کی دہرائی ہوئی بات ہے کہ قرآن ایک مکمل کتاب کی طرح لکھا ہوا نہیں نازل ہوا۔ وہ موقع بہ موقع ضرورتوں، تقاضوں اور سوالوں کے جواب میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا

تھا۔ پس بہت کچھ فہمِ مخاطب پر چھوڑ دیا جانا ایک طبعی امر تھا، جو ایک کلامِ بلیغ کا خاصہ ہے۔ مگر بعد والوں کے سامنے صرف الفاظ ہیں یا پھر شانِ نزول کی روایات۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی نزول کے وقت اور ماحول میں موجودگی کا بدل نہیں بنتی، اپنی سمجھ اور غور وفکر کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اور یہیں سے تشریحات مختلف ہو جاتی ہیں۔

آیت کی ایک بہتر تشریح

زیرِ غور آیت کی مختلف موجود تشریحات پر کوئی اضافہ شاید ممکن نہیں ہے۔ اور ان میں سے جو اَقرب نظر آتی ہے وہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح ہے۔ اور بظاہر اس کا یہی پہلو ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے جیسے قدیم طرز کے عالم، ترجمۂ شیخ الہندؒ پر اپنے حواشی میں، اور مولانا ابوالکلام جیسے جامع جدید وقدیم اپنی ترجمان القرآن میں اس پر متفق ملتے ہیں۔ اس تشریح کے مطابق حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردہ استفتاء کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ سورہ کی ابتدائی آیات میں عربوں کے جاہلی رواج کی اصلاح میں جو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جو یتیم لڑکی ایسی ہو کہ اس سے اس کے ولی یا یا ولی کی اولاد کی شادی جائز ہو تو ایسا کرنے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب اس کا حق وراثت اور مہر وغیرہ اسے ادا کرنے میں پرانی بری عادت (یعنی حق مارنے عادت) کے حاوی آجانے کا خطرہ خود سے نہ ہو، اس حکم کے نتیجہ میں لوگوں نے از راہِ احتیاط ایسے رشتہ کو ممنوع ہی قرار دے لیا۔ مگر رفتہ رفتہ اندازہ ہوا کہ بعض وقت لڑکی کے حق میں اپنے گھر ہی میں رشتہ بہتر ہوتا ہے، مگر ایسا کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ پس چاہا گیا کہ حضور ﷺ سے صراحۃً اجازت لی جائے۔

یہ تھا استفتاء اور اس کا مطلب تھا مسئلہ میں رخصت مانگنا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اصل حکم کی وضاحت میں ارشاد فرمایا: قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ۔۔ (یعنی اللہ تمھیں رخصت دیتا ہے، اور وہ جو حکم دیا گیا تھا جو تم قرآن میں پڑھتے سنتے آرہے ہو وہ (مطلقاً ممانعت کا نہیں بلکہ) صرف اس صورت کی ممانعت کا تھا کہ ایسی بے سہارا لڑکیوں کو تم نکاح میں لے لو اور ان کے حقوق مہر و وراثت کو بھول جاؤ، کیونکہ ان کا کوئی والی وارث تو تمھارے سوا ہے نہیں۔ پس وضاحت کا مطلب یہ ہوا کہ اگر حق ماری نہ کرو اور لڑکی کی مصلحت گھر ہی کے رشتہ میں ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں آیت کی یہی شانِ

نزول حضرت عائشہؓ کی روایت سے آئی بھی ہے۔(ابنِ کثیر)

آیت کی یہی تشریح اس کے الفاظ پر انطباق میں سب سے زیادہ بے تکلف ٹھیرتی ہے۔خاص طور پر اس پہلو سے کہ یُفتیکُم کا مطلب اگر رخصت و اجازت کا فتویٰ لے کر "وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ" کو اس کی وضاحت نہ مانا جائے تو یُفْتِیکُم کا کلمہ جو ایک فتوے کا مطالبہ کرتا ہے(اور نحوی زبان میں مفعولِ ثانی کا) وہ ہاتھ نہیں آتا اور پھر اس کی تلاش و تعیّن میں تکلف سے کام لئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

آیت کے آخری جملے

الغرض ارشاد ہوا کہ وہ جو آیتیں یتیم لڑکیوں کے بارے میں آئی تھیں (جو یہ تھیں: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء:۳) وہ ان لڑکیوں سے متعلق تھیں جن سے تم نکاح کرکے ان کے حقوقِ شرعی ہضم کرلینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ آگے فرمایا: وَالْمُسْتَضعفینَ مِنَ الوِلْدان (نیز یہی انصاف کی ہدایت تمام بے کس (یتیم) بچوں کے بارے میں تھی: مزید فرمایا: وَاَنْ تَقُوموا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ۔ (الحاصل، اللہ حکم تمھیں دیتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔ وَما تَفْعَلُوا مِنْ خیرٍ فَاِنَّ اللہَ کَانَ بِہٖ علیماً (اور ان کے حقوق کی منصفانہ ادائیگی سے بڑھ کر جو کچھ نیکی تم ان کے ساتھ کروگے اللہ سے وہ چھپی نہیں رہے گی، یعنی اس کا بدلہ اللہ کی جناب سے پاؤگے۔)

میاں بیوی کے تعلق میں ناہمواری

اس مضمون کے بعد عورتوں ہی سے متعلق ایک دوسرے معاملہ میں رہنمائی ہے۔فرمایا: وَاِنِ امْرَأَۃٌ خَافَتْ مِنْ م بَعْلِھا۔۔۔۔یعنی اگر کوئی عورت اپنے شوہر کا رویّہ اپنے ساتھ زیادتی یا بے اعتنائی کا محسوس کرے تو اس کے لئے راہِ عمل کیا ہے؟ کیا علیٰحدگی کی تدبیر؟ نہیں کوشش معاملات استوار کرنے کی ہونی چاہئے۔اور ظاہر ہے کہ ضرورت عورت کی ہے، اسی کے ڈر کی بات ہورہی ہے، تو اسے کچھ قربانی کی ضرورت پڑسکتی ہے۔لیکن کیا شوہر کے لئے جائز ہوگا کہ بیوی کی طرف سے کسی حق کی قربانی کی قیمت پر معاملات استوار کرنے پر راضی ہو؟ یہ مکمل بات ہے جس کو ان الفاظ میں ادا فرمادیا گیا ہے کہ: فَلَاجُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یُّصلِحا بَیْنَھُما صُلْحاً ط (پس کوئی مضائقہ اس میں ان کے لئے نہیں کہ کسی طور پر صلح

کرلیں) اور پھر اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا: وَالصُّلحُ خَيْرٌ (اور صلح اچھی چیز ہے)
مرد کے لئے اجازت نکال تو دی گئی مگر یہ بس ایک فطری انسانی کمزوری کی رعایت تھی، ورنہ مرد کا شیوہ ہونا یہ نہیں چاہئے۔ اب انہی دونوں باتوں کے لئے آگے فرمایا گیا (وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۱۲۸۔) اور ٹھیک ہے کہ حرص طبیعتوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی، چھائی رہتی ہے۔ لیکن تم اللہ سے ڈرو اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرو تو اطمینان رکھو وہ اللہ کے علم میں رہے گا۔ یعنی صلہ پاؤ گے۔'' اس میں حرص کے حوالہ سے انسان کی اُس فطری کمزوری کا بھی اشارہ آ گیا جس کی بنا پر مرد کے لئے جائز قرار دیا گیا کہ عورت سے کچھ قربانی پر راضی ہوسکتا ہے تو یہ بھی سہی، مگر تقوے اور حسنِ سلوک کے نام سے ترغیب دے کر چاہا یہ گیا کہ عورت سے وہ کسی حق کی قربانی کا طالب نہ ہو۔ مساواتِ مرد وزن کے علمبرداروں (Feminists) کو ضرور یہ مُعتدل مشورہ قابلِ اعتراض لگے گا۔ مگر یہ ہماری فطرت کے خالق کا مشورہ ہے۔ اور خالق ہونے کی بنا پر یہ اس کے ہمہ جہت علم پر مبنی ہے: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الخَبِيرُ۔ المُلك۔ ۱۴ :۶۷) اور یہی فرق ہے خالقِ علیم وحکیم اور بے خبر و نادان مخلوق میں!

کامل عدل ممکن نہ سہی مگر کھلی ناانصافی ناروا

آگے ارشاد ہوا: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (تم واقعتاً چاہو بھی کہ بیویوں کے درمیان برابری کا معاملہ رکھو تو یہ تم سے ہونے والا ہے نہیں۔ پس جو بات ضروری جانو وہ یہ کہ کسی ایک کی طرف کو پورے کے پورے مت ڈھلک جاؤ کہ دوسری کو اَدھر میں لٹکی جیسی کر کے چھوڑ و۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اوپر شوہر کے بارے میں عورت کے احساس کا جو ذکر آیا اس کی پوری صورت یہ تھی کہ کوئی دوسری بھی اسی گھر میں اس عورت کے ساتھ ہے۔ پس اب مرد کو اس حوالہ سے نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ ٹھیک ہے، سو فی صد برابری کا معاملہ واقعتاً تمہارے بس کی بات نہیں ہے مگر اس عذر سے تمھیں اس کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ بالکلیہ کسی ایک کے ہو جاؤ اور دوسری بیاہی ہوتے ہوئے ایسی ہو کر رہ جائے جیسے بن بیاہی۔'' اور اگر کوئی ایسی ناانصافی کا ارتکاب کر رہا ہے تو اس کے لئے فرمایا: وَاِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً (اگر اپنی اصلاح کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو پھر وہ تو بہر حال بہت بخشدینے والا رحم فرمانے والا ہے، جو ہوا اسے معاف فرمادے گا)۔

اگر علیحدگی سے چارہ نہ رہے

یہاں تک میاں بیوی کے درمیان تعلقات کی ممکن حد تک استواری کی صورت پیدا کرنے کا مضمون تھا۔ لیکن ایک وقت آجاتا ہے کہ امکان نہیں رہتا۔ اور وہ ایسا نہیں کہ ہمیشہ میاں ہی کی طرف سے زیادتی کا نتیجہ ہو، ایسا بھی خوب ہوتا ہے کہ عورت ہی ذمہ دار ہوتی ہے۔ پس آگے ان دونوں میں سے کسی بھی امکان کے ماتحت ایسی صورت پیدا ہوجانے پر کہ علیحدگی اور افتراق ہی اب واحد راہِ عمل ہے، فرمایا گیا: وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ (اور اگر دونوں الگ ہی ہوجاتے ہیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل کی وسعت سے بے نیازی دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا حکمت والا ہے۔ اور اللہ ہی کا تو ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے)

☆☆☆

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

نبوّت اور بشریت

حضرات انبیاء علیہم السلام کا وجود چونکہ ایسی خصوصیات کا جامع اور ان کمالات کا حامل ہوتا ہے جو عام انسانوں میں نہیں پائے جاتے اس لئے منصب نبوت کے بارے میں قوموں نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں، چنانچہ قدیم ہندی اقوام کا نظریہ تو اس بارے میں یہ رہا کہ خدا خود انسانی شکل میں آکر اپنی مخلوق کی ہدایت کرتا ہے، اور اسی لئے یہ لوگ اپنے رہنماؤں (کرشن، رام چندر وغیرہ) کو اوتار یعنی خدا کا ایک محسوس اور مجسّم ظہور مانتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ درحقیقت یہ خدا ہی کی ہستی تھی جس نے حسب موقع مختلف شکلوں میں ظہور کیا تھا۔ قریب قریب یہی نظریہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بہت سے عیسائیوں کا بھی ہے، ان میں سے اکثر حضرت مسیح کو خدا کا مجسّم اور محسوس ظہور مانتے ہیں، اسی لئے ''تجسّد باری،، (خدا کا مجسّم وجود) ان کا ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، جو مناظروں اور مباحثوں میں برابر زیر بحث رہتا ہے، قرآن کریم نے نصاریٰ کی اس گمراہی کو ان کے کفر کا موجب قرار دیا ہے۔ ''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ ''(مائدہ ۱۷) ضرور بالضرور وہ لوگ کافر ہو گئے جو کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہے، اے رسول! آپ کہیے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ مریم کو اور جتنے بھی اس زمین پر آباد ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان سب کو ذرا بھی بچا سکے (کوئی بھی نہیں پس جب کہ دوسری مخلوق کی طرح حضرت مسیح بھی حکم خداوندی کے سامنے مجبور ہیں تو پھر ان کو خدا کہنا کتنی سنگین گمراہی ہے)۔

ایک دوسری جگہ نصاری کی اس گمراہی کے ازالے کے لئے بھی فرمایا گیا ہے کہ ''كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ ''(مائدہ ۷۵) حضرت مسیح اور ان کی والدہ مریم صدیقہ میں بھی لوازم بشریت کھانا پینا وغیرہ پائے جاتے تھے پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

بہر حال بعض گمراہ قوموں کا ایک نظریہ تو یہ تھا کہ انھوں نے اپنے رہنماؤں کو اوتار یعنی خدا کا ایک مجسم اور محسوس ظہور مانا۔ لیکن چونکہ یہ خیال نہایت صریح البطلان تھا کہ قادر مطلق اور سب سے بے نیاز خدا اپنی مجبور و محتاج مخلوق کے قالب میں عاجزی اور احتیاج کا پیکر محسوس بن کر آئے، اس لئے قرآن حکیم نے اس کے ابطال کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں فرمائی اور صرف معدودے چند جگہ اس کا رد فرمایا گیا۔ اور بہت سی دوسری گمراہ قوموں نے یہ سمجھا کہ رسول اگرچہ خود خدا نہ ہو لیکن اس کو انسانیت اور بشریت سے بالاتر ہونا چاہئے، اس میں انسانی خواہشات اور بشری عادات بالکل نہ ہوں، وہ کھاتا پیتا نہ ہو، زمین و آسمان اس کے تصرف و اختیار میں ہوں اور وہ سب کچھ کر سکے جو ایک انسان سے ممکن نہ ہو، بہر حال انھوں نے نبوت و رسالت کو انسانیت اور بشریت سے بالاتر سمجھا اور اسی لئے جب حضرات انبیاءؑ، جو درحقیقت انسان ہی تھے، ہدایت و ارشاد کے لئے مبعوث ہوئے تو اس قسم کے گمراہوں نے اسی بنا پر ان کی اطاعت سے انکار کر دیا اور صاف طور پر یہی کہا کہ ''تم تو ہم ہی جیسے ایک انسان ہو ہماری طرح کھاتے پیتے ہو انسانی ضرورتیں رکھتے ہو پھر بھلا تم رسول کیوں کر ہو سکتے ہو؟'' چنانچہ جب سیدنا حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے اور آپ نے اپنی قوم کو اپنی نبوت و رسالت سے آشنا کراتے ہوئے ہدایت کا کام شروع کیا تو ان کی گمراہ قوم نے بھی یہی کہا کہ لوگو! ''مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ۚ'' (مومنون ۲۴) یہ تو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، رسول وسول کچھ نہیں، بس اس بہانے سے تمہارے اوپر اپنی برتری چاہتے ہیں اور اگر درحقیقت خدا کو رسول بھیجنا ہی ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیج دیتا۔

پھر اسی سورت میں چند ہی آیتوں کے بعد مذکور ہے کہ جب طوفان نوح کے بعد از سر نو دنیا آباد ہوئی تو ہم نے ان کی ہدایت کے لئے ایک اور پیغمبر کو بھیجا، ان کی نادان اور گمراہ قوم نے بھی یہی کہا کہ لوگو!: ''مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝'' یہ تو تمہاری طرح ایک انسان ہیں جو تم کھاتے ہو وہی چیزیں یہ بھی کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتے ہیں (پھر بھلا یہ رسول کیسے ہو سکتے ہیں؟)

پھر زمانہ مابعد میں بھی جب جب خدا کے پیغمبر ہدایت کا پیغام لے کر آئے تو گمراہوں نے ان کی اطاعت سے انکار بھی اسی بنیاد پر کیا کہ تم تو ہم جیسے ایک انسان ہو پھر رسالت کیسی؟ سورۂ ابراہیم میں بعض انبیاء سابقین اور ان کی قوموں کا یہ مکالمہ نقل کیا گیا ہے: ''قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ

اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ''ان کافروں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح ایک بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہم کو ان دیوتاؤں سے روک دو جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے پس ہم کو کوئی کھلا معجزہ دکھلاؤ، ان کے ان پیغمبروں نے ان سے کہا کہ بیشک ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور اس کو اپنی پیغمبری کے لئے منتخب فرماتا ہے سو ہم کو بھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے منصب نبوت عطا فرمایا ہے اور یہ بات ہمارے اختیار کی نہیں کہ ہم کوئی معجزہ دکھا سکیں بغیر خدا کے حکم کے۔

اسی طرح سورۂ تغابن میں زمانۂ قدیم کی بعض کافر قوموں کے کفر کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ یہ بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے کہ انسان بھی رسول ہوسکتا ہے ''ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۶ ''اور ان کے اس کفر کا باعث یہ ہوا کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل لے کر آئے تو ان کور بختوں نے کہا: کیا بشر ہماری ہدایت کریں گے؟ پس انھوں نے اس گمراہی کی وجہ سے اپنے ان رسولوں کا انکار کر دیا اور ان سے روگردانی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پروانہ کی اور وہ تو بڑا بے نیاز اور ہر حال میں قابل حمد وثنا ہے۔

بہر حال زمانہ قدیم سے بہت سی گمراہ قوموں کا یہی نظریہ رہا کہ نبوت اور بشریت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں اور رسول کبھی بشر نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ جس وقت حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو کفار مکہ نے آپ کا انکار بھی اسی بنیاد پر کیا کہ آپ ہم ہی جیسے بشر ہیں پھر بھلا خدا کے رسول کیسے ہوسکتے ہیں، اگر خدا کو رسول بھیجنا ہوتا تو وہ کسی فرشتے کو بھیجتا۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں کفار مکہ کی اسی گمراہی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے ''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۴ ''اور جب ان کے پاس ہماری ہدایت پہنچی تو اس وقت ان کو ایمان لانے سے صرف یہی چیز مانع ہوئی کہ کہنے لگے کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (یہ بات تو عقل میں نہیں آتی)۔

اور کبھی ان کافروں نے اپنے خبث باطن کا اظہار اس طرح کیا ''مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ''واہ! یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے ہیں اور اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بازاروں میں پھرتے ہیں۔

گویا اِن گمراہوں کے نزدیک کھانا پینا اور اپنی حوائج ضروریہ کے لئے بازار جانا شان رسالت کے خلاف تھا اور ان کے نزدیک ضروری تھا کہ رسول کھاتا پیتا نہ ہو اور کسی ضرورت سے دوچار نہ ہو۔ بلکہ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے وہ گمراہ، رسول کے لئے یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ وہ زمین وآسمان اور ساری کائنات پر تصرف کا مجاز ہو اور وہ ''سب کچھ'' کرسکے، کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہ ہو اور اسی بنا پر ان گمراہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ'' (بنی اسرائیل)

جناب! ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ مکہ کی زمین سے کوئی چشمہ جاری کردیں یا خاص آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو پھر اس باغ کے درمیان میں جگہ جگہ آپ بہت سی نہریں نکال دیں یا جیسے آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے ان پر گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکھڑا کردیں یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر ہو یا آپ آسمان پر ہمارے سامنے چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی باور نہ کریں جب تک کہ آپ وہاں سے ہمارے پاس ایک نوشتہ نہ لادیں جس کو ہم پڑھ بھی لیں (غرض جب تک کہ آپ ہم کو یہ تمام باتیں پوری کرکے نہ دکھادیں ہم اس وقت تک آپ کو ہرگز رسول نہ مانیں گے)۔

بہرحال ان گمراہوں کے تخیل میں نبی اور رسول کے لئے ضروری تھا کہ وہ یہ تمام اختیارات رکھتا ہو اور ان کی اس گمراہی کی اصل واساس یہی تھی کہ وہ نبوت ورسالت کو انسانیت اور بشریت سے بالاتر سمجھتے تھے، اسی لئے ان کے اس مطالبے کے جواب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف یہ کہلوا گیا کہ ''قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا'' میرا پروردگار تمام عیب کی باتوں اور ساری کمزوریوں سے پاک اور مبرا ہے میں تو بس ایک انسان پیغمبر ہوں۔[1]

---

[1] اب سے قریبا دو برس پہلے جب کہ میرا قیام لکھنؤ میں تھا ایک فاضل نومسلم سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کس چیز نے اسلام پر مائل کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ قرآن کے مطالعہ نے، پھر میں نے سوال کیا کہ سب سے پہلے کس آیت نے آپ کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کی؟ انھوں نے فرمایا کہ میں ناقدانہ نظر سے قرآن کا مطالعہ کیا کرتا تھا اس دوران میری نظر سے یہ آیت گذری ''قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا''

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہرحال انبیاءؑ کے متعلق قدیم زمانے سے گمراہ قوموں کا ایک خیال یہ بھی رہا ہے کہ اُن کو بشر نہ ہونا چاہئے اور چونکہ یہ تخیل زیادہ عام رہا ہے اور خود مشرکین عرب بھی اسی گمراہی میں مبتلا تھے اور انھوں نے اس بنیاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے انکار کیا تھا اس لئے قرآن حکیم میں اس باطل عقیدے کا رد خاص اہتمام سے فرمایا گیا، چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں جہاں یہ مذکور ہے کہ ان لوگوں یعنی اہل عرب کو ایمان لانے سے صرف یہی خیال مانع ہوا کہ رسول بشر نہیں ہوسکتا وہیں ان کے اس غلط تخیل کا رد نہایت پر حکمت انداز میں اس طرح فرمایا گیا کہ ''قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا'' اے رسول! آپ فرمادیجئے کہ اگر زمین پر (بجائے انسانوں کے) فرشتے آباد ہوتے تو ہم ان میں فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔

گویا ان کو بتلادیا گیا کہ نبی اور رسول کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ وہ اسی قوم کی جنس سے ہو جس کی ہدایت کے لئے وہ مبعوث ہوا ہے تاکہ وہ ان کے جذبات اور احساسات کو سمجھ سکے — اس کے بغیر ہدایت کی تکمیل ناممکن ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کے اکثر گناہوں کا تعلق قوت شہویہ اور قوت غضبیہ سے ہے اب

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)

بس اسی سے میرے دل میں یہ بات پڑی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں کیونکہ کوئی جعلساز جھوٹا مدعی نبوت اپنے مخالفین کے مطالبات کے جواب میں صاف طور پر کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ''جن باتوں کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو وہ میرے قبضہ اور اختیار میں نہیں ہیں، میں تو بس ایک انسان پیغمبر ہوں''۔

ایسی بے لاگ بات صرف ایک راست باز اور سچا انسان ہی کرسکتا ہے جھوٹا ہمیشہ اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے دور از کار تاویلیں کرے گا زمین و آسمان کے قلابے ملائے گا لیکن کبھی یہ اقرار نہیں کرے گا کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ افسوس جس چیز کو دیکھ کر غیر مسلم اسلام پر شیدا ہوتے ہیں آج بہت سے مدعیان اسلام اس کو کفر اور بے دینی سمجھتے ہیں ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

جوبھی انسانوں کا ہادی بن کر آئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان قوتوں کے بھڑکانے والے محرّکات اوران کو حداعتدال کے اندر رکھنے کی تدبیروں سے پوری طرح واقف ہوتا کہ ان پر صحیح کنٹرول کر سکے، ملائکہ کے اندر سرے سے ان قویٰ ہی کا وجود نہیں پھر وہ ان پر کنٹرول کس طرح کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں، ہادی کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ وہ قوم کے سامنے جو تعلیمات پیش کرے، اُن پر عمل کر کے بھی دکھائے، اس کے بغیر عام انسانوں کی کامل رہنمائی نہیں ہوسکتی، اور فرشتے احکام الٰہی کا عملی نمونہ پیش کرنے سے قاصر رہتے، آدابِ معاشرت، سیاست مدن، تدبیر منزل، بیع وشراوغیرہ معاملات، عورت ومرد کے باہمی تعلقات وغیرہ کے متعلق وہ صرف احکام تو پہنچادیتے لیکن ان پر عمل کر کے دکھانا درکنار، ان میں سے بہت سی چیزوں کی حقیقت کے ادراک سے بھی عاجز رہتے تو مقصد رسالت ہی پورا نہ ہوتا۔ نیز فرائض نبوت کی انجام دہی کے لئے اس کی بھی سخت ضرورت ہے کہ قوم، نبی وقت سے مانوس ہوسکے اور باہمی انس، جیسا دو ہم جنسوں میں ہوسکتا ہے وہ مختلف اجناس کے افراد میں ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ ملائکہ عام طور پر انسانی شکل میں متشکل ہوکر ہی حضرات انبیاء کو خدا کے پیغام پہنچاتے ہیں تا کہ کسی حد تک مجانست متحقق ہوجائے جو افادہ اور استفادہ کے لئے ایک حد تک ضروری ہے اور غالباً اسی لئے سورہ انعام میں فرمایا گیا ہے کہ ''وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ'' اگر بالفرض فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا جیسا ان گمراہوں کا خیال ہے تو وہ بھی عام انسانوں کی تعلیم وتفہیم کے لئے انسانی شکل ہی میں آتا تو اس صورت میں بھی یہ کور دماغ یہی شبہ کرتے اور کہتے کہ یہ تو ہم ہی جیسا انسان ہے یہ کیسے رسول ہوسکتا ہے؟

بہرحال قرآن کریم نے اس گمراہانہ نظریہ کا رد نہایت اہتمام کے ساتھ فرمایا اور جب جب منکرین رسالت کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا گیا تو اس کے جواب میں خود صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کرادیا گیا ''قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' بس میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ اور کبھی آپ کو حکم ہوا کہ آپ صاف صاف ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ ''قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ'' میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ مجھے علم غیب کا دعویٰ ہے اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور کبھی اس حقیقت کا اظہار آپ اس سے اس طرح کرایا گیا کہ ''قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا'' آپ اعلان فرمادیجئے کہ میرا خدا تمام عیبوں اور کمزوریوں سے پاک ہے، میں تو بس ایک انسان پیغمبر ہوں۔ اور اسی مغالطہ کے رفع کرنے کے

لئے کبھی آپ کو حکم ہوا کہ ''قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ'' آپ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ جیسے پہلے پیغمبر انسان تھے میں بھی انسان ہوں، میں کوئی نرالا پیغمبر نہیں ہوں۔ اور اسی مغالطہ کی اصلاح کے لئے کبھی یہ فرمایا گیا کہ ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى'' ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ'' اے رسول تم سے پہلے بھی ہم نے اپنی پیغام رسانی کے لئے انسانوں ہی کو چنا تھا اور ان کی طرف بھی ہم اسی طرح وحی بھیجتے تھے (غرض انسانی نبوت کوئی اور نرالی چیز نہیں) اور اگر اس میں کسی کو شبہ ہو تو وہ اہل کتاب سے پوچھ سکتا ہے (وہ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکیں گے کہ پہلے دنیا میں جو پیغمبر آئے تھے وہ سب بھی انسان اور بشر ہی تھے)

اور جب ان بدبختوں نے حضور کے کھانے پینے اور اپنی ضروریات کے لئے بازار جانے کو خلاف نبوت و رسالت کہا تو قرآن کریم نے یہ بھی بتلا دیا کہ ''وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ'' اگلے رسول بھی اسی طرح کھاتے پیتے اور اپنی ضروریات سے بازار میں جاتے تھے، لہٰذا اس چیز کو بھی منافی رسالت سمجھنا محض تمہاری حماقت ہے۔

بہر حال قرآن عزیز نے اس مسئلہ کی تبیین و تشریح میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور بار بار اس کی توضیح و تشریح فرمائی کہ نبوت اور بشریت میں منافات نہیں یہ خیال غلط اور سراسر غلط ہے کہ رسول کو بشریت سے بالاتر ہونا چاہئے بلکہ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے انسان ہی رسول بن کر آئے، اس کے بغیر منشاء رسالت کی ہی تکمیل نہیں ہو سکتی اور اسی واسطے ہم نے زمانۂ ماضی میں بھی بنی آدم کی ہدایت کے لئے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے بلکہ قرآن پاک تو بنی آدم پر خدا کا یہ خاص احسان بتلاتا ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تم ہی جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجا، جس سے اگر ایک طرف تمہاری جنس کا درجہ بلند ہوا تو دوسری طرف تم کو اس جنسی رشتہ کی وجہ سے فیض حاصل کرنا آسان ہو گیا ''لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ'' اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے رسول آئے جو تمہاری ہی جنس سے ہیں یعنی تم ہی میں کے ایک بشر ہیں ان کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے اور وہ تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند ہیں بالخصوص ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ'' یقیناً اللہ تعالی نے بڑا احسان کیا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے ''هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ'' اس رحیم وکریم خدا نے عرب کے بن پڑھے لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔

اور درحقیقت بنی آدم پر حق تعالی کا یہ ایک عظیم الشان انعام ہے کہ اس نے ان کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے انبیاء اور رسل کا انتخاب فرمایا، اگر خدانخواستہ اس کام کے لئے فرشتوں کو منتخب کرتا تو نہ تو انسانیت کا درجہ اتنا بلند ہوتا اور نہ انسان کی ہدایت ہی پایہ تکمیل کو پہنچتی۔ مگر حیرت ہے کہ ان تصریحات وتشریحات کے بعد بھی عرب کے وہ گمراہ اپنے اس گمراہانہ تخیل سے نہ ہٹے اور یہی کہتے رہے کہ بشر تو رسول نہیں ہوسکتا اور اسی لئے وہ بدقسمت، داعی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے۔

مگر اس سے زیادہ موجب حیرت بلکہ قابل عبرت یہ چیز ہے کہ عصر حاضر کے بعض مدعیان اسلام جو قرآن عزیز کو کتاب الٰہی بھی تسلیم کرتے ہیں وہ بھی آج اس مغالطہ میں مبتلا ہیں اور کھلے لفظوں میں وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت سے انکار کررہے ہیں، ان کو رد ماغوں کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہنا کفر ہے۔ فیاللعجب (ماخوذ از الفرقان جمادی الثانیۃ ورجب ۱۳۵۴ھ)

☆☆☆

ازافادات: حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

مسئلہ تقلید کے بارے میں کچھ اصولی باتیں

[کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے سامنے کچھ علمی وفکری موضوعات پر حضرت نقشبندی دامت برکاتہم نے دروس دئے تھے ـــــ ذیل میں ایک درس ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے ـــــ مدیر]

چھوٹے چھوٹے سوالوں سے اوران کے جوابات سے ہم نے اس تقلید کے لفظ کوسمجھانے کی کوشش کی ہے آپ پڑھتے جائیں گےتواس کے بہت سارے گوشے آپ کے سامنے کھلتے جائیں گے۔

سوال: تقلید کالغوی معنی کیا ہے؟

جواب: تقلید کالغوی معنی پیروی ہی ہے، اس کامادہ قلادہ ہے، انسان کے گلے میں ہوتو ہار، جانور کے گلے میں ہوتو پٹہ۔ دنیا کے ہردورِزندگی میں لوگ اس کے ماہرینِ فن پراعتماد کرتے ہیں، تقلید آزادروی کے مقابلے میں ہے ’’فِإن المرأ اذاأتی علی غیر فنِہٖ أتی بالعجائب‘‘ (اس لئے کہ آدمی جب ان مسائل میں دخل درمعقولات کرتا ہےجن کا وہ ماہرنہیں ہےتوعجیب وغریب (احمقانہ) باتیں کرتا ہے)۔ تقلید کےمعنی مقلدین ہی طے کرسکتے ہیں، ’’صاحب البیت أدریٰ بمافیہ‘‘ بعض جاہل کہتے ہیں کہ پٹہ کتوں کے گلے میں ہوتا ہے، دیکھئے قلادہ سے یہ لفظ نکلا ہےاورقلادہ ہارکوکہتے ہیں، کوئی انسان پہنےتوہارکہلائے اور جانور پہنےتوپٹہ کہلائے۔ مفہوم یہ ہے کہ ہرفن کے لوگوں پرلوگ اعتماد کرتے ہیں، مثلاً آپ ڈاکٹرکے پاس جاتے ہیں توڈاکٹرآپ کوایک دوائی دیتا ہے، توکبھی آپ نے اس سے یہ پوچھا کہ آپ اس مرض کی یہ دوامجھے کیوں دے رہے ہیں؟ آپ مجھے Explain (وضاحت) کریں۔ تقلید کے بالمقابل لفظ ہے’’ آزادروی‘‘، جوبندہ غیرمقلد ہوتا ہے وہ گویاکٹی پتنگ ہوتا ہے، اب کٹی پتنگ کولوٹنے والے بہت ہوتے ہیں، پتہ نہیں

کہاں گرے گی ،کس کے ہاتھ میں آئے گی ،یہی حال اس بندے کا ہوتا ہے، جس کا اپنا ڈائریکشن کوئی نہیں ہوتا، پتہ نہیں زندگی میں کہاں اور کس منزل پر جا کر پہنچے گا۔

سوال: تقلید کا شرعی معنی کیا ہے؟

جواب: کسی کے قول کو اس حسن ظن پر مان لینا کہ دلیل کے موافق ہی بتائے گا اور اس سے دلیل طلب نہ کرنا۔ مثلاً کسی محدث کی رائے سے حدیث کو صحیح وضعیف ماننا۔اسی طرح کسی امتی کے بنائے ہوئے اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کو ماننا۔عجیب بات تو یہ ہے کہ جو کہتے ہیں کہ ہم غیر مقلد ہیں یعنی ہم فقہ میں کسی کی بات نہیں مانتے ،وہ حدیث میں تقلید کیوں کرتے ہیں؟ امام بخاریؒ کی بات کیوں مان لیتے ہیں؟ جب امام بخاریؒ نے حدیث لکھی اور بتایا کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ حسن ہے، یہ فلاں ہے، اس کو کیوں مانتے ہیں؟ اس کی تحقیق کریں، جب ان کو نہیں ماننی ہے تو پھر زندگی کے ہر شعبہ میں ایک ہی قانون لاگو ہونا چاہئے ،جب حدیث کے معاملے میں محدثین نے جو کہہ دیا ان کی تحقیق کو مانتے ہیں، تو فقہاء جو کہہ رہے ہیں ان کی بات کو کیوں نہیں مانتے؟

پھر اکثر وبیشتر آپ دیکھیں کہ ہمارے علاقوں میں لوگ روایتِ حفص کے مطابق قرآن مجید پڑھتے ہیں، یہ لوگ اس کو کیوں مانتے ہیں؟ یہ قراءت کے معاملہ میں بھی اپنی تحقیق خود کریں۔تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ حدیث میں بھی تقلید کریں گے، عقائد میں بھی تقلید کریں گے، لیکن جہاں فقہ کا معاملہ آئے گا کہیں گے کہ ہم تقلید کسی کی نہیں کریں گے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ قانون تو ہر جگہ ایک ہی ہونا چاہئے۔حقیقت میں نفس پابندی کو برداشت نہیں کرتا، نفس پسند نہیں کرتا، نفس چاہتا ہے کہ میرا اپنا اختیار ہونا چاہئے ،اس نفس کی خواہش کی وجہ سے تقلید بری نظر آتی ہے، بندہ کہتا ہے کہ میرا اپنا چوائس ہونا چاہئے ،اپنے آپ کو عقل کل بنالیا اور پھر چوائس اپنے پاس رکھ لیا اور یہیں پہ آکے بندہ پھنسا کہ جب اس کے پاس چوائس ہوگا تو پتہ نہیں وہ اپنے نفس کے لئے کیا کیا اس وقت فیصلے کرے گا، انسان کا نفس اگر بے لگام ہوجائے تو پھر یہ اس کو راستے سے بہت دور لے کر چلا جائے گا۔

سوال: تقلید کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: دو، حرام اور حلال، جائز امور میں حلال، ناجائز میں حرام، جیسے لغت میں دودھ، دودھ ہی ہے، کُتیا کا ہو یا گائے کا، کتیا کا دودھ ہوگا تو حرام ہوگا اور اگر گائے کا دودھ ہوگا تو حلال ہوگا۔اسی طرح اگر ناجائز

کاموں میں کسی کے پیچھے چلیں گے تو یہ تقلید حرام کہلائے گی اور اگر نیک کاموں میں کسی کے پیچھے چلیں گے تو یہ تقلید حلال کہلائے گی، جائز کہلائے گی۔

سوال: کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے؟

جواب: مسائل غیر منصوصہ اور مسائل منصوصہ متعارضہ غیر معلومۃ التقدیم والتاخیر میں جیسا کہ ''فقہ کے دائرۂ کار'' میں گذر چکا۔

سوال: کن کی تقلید کی جائے؟

جواب: جو اپنے فن میں مجتہد کا مقام رکھتا ہو، ہر ایک کی تقلید جائز نہیں۔

سوال: مجتہد ہر مسئلہ کا جواب کیسے دیتا ہے؟

جواب: جس طرح حساب دان حساب کے قواعد استعمال کر کے ہر سوال کا جواب ڈھونڈ لیتا ہے اسی طرح مجتہد بھی کلیات کو استعمال کر کے ہر جزئی کا جواب دے دیتا ہے۔

سوال: کون تقلید کرے؟

جواب: جس کے پاس کتاب وسنت سے مسئلہ اخذ کرنے کی اہلیت نہ ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بڑوں کی تقلید کرے۔ کتاب وسنت سے مسئلہ اخذ کرنا اور مزاج شریعت کو سمجھنا یہ کوئی آسان نہیں، یہ راسخین فی العلم ہی سمجھ سکتے ہیں، عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، وہاں پر ایک نوجوان امام صاحب آ گئے تو انھوں نے حدیث پاک پڑھ لی کہ نماز کو بڑے خشوع وخضوع سے پڑھنا چاہئے، تو انھوں نے فرض نماز کو خشوع وخضوع سے پڑھنا شروع کر دیا، اللہ کی شان دیکھیں کہ پیچھے ایک بندہ تھا اس کو بس پکڑنی تھی وہ بھی نماز کی نیت کر بیٹھا، اب وہ بڑا پریشان ہوا کہ میری بس نکل جائے گی تو میں مصیبت میں پڑ جاؤں گا اور امام صاحب تو قیام میں کھڑے لمبی قراءت کر رہے ہیں، اس نے نماز توڑی اور اپنی نماز الگ پڑھی اور نماز پڑھ کے باہر نکلا تو امام صاحب ابھی قیام میں کھڑے تھے، خیر وہ بیچارہ چلا گیا، جہاں جانا تھا اس نے دو دن وہاں اپنا کام کیا، دو دن کام کرنے کے بعد جب واپس آیا تو اگلی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں نہیں گیا، بلکہ مسجد کے نیچے کرایہ والی دو کانیں تھیں، ان میں سے وہ ایک دوکاندار کے پاس جا کے پوچھتا ہے کہ یار! وہ امام صاحب نے سلام ابھی پھیرا ہے یا نہیں پھیرا؟

اب اس نوجوان امام نے یہ تو پڑھ لیا کہ خشوع سے نماز پڑھنی چاہئے، لیکن یہ نہیں پڑھا کہ جو

اڈے کی مسجد ہوتی ہے وہاں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ان کے پاس کیا عذر ہوتے ہیں، وہاں کے امام کے لئے افضل ہے کہ وہ بہت ہی ہلکی نماز پڑھائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نماز پڑھا رہے تھے، عورتیں بھی تھیں، ایک بچہ رو پڑا تو نبی علیہ السلام نے جلدی نماز پڑھادی اور فرمایا کہ بچہ رو پڑا تھا اس لئے میں نے جلدی نماز پڑھادی۔ تو نبی علیہ السلام نے بھی رعایت فرمائی، اب یہ حدیث اس کے سامنے نہ آئی۔ اکیلے اکیلے پڑھ کے عمل کرنے سے یہی ہوتا ہے کہ کسی ایک بات پر نظر ہے تو دس باتیں اس کی نظر سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ تقلید کروالوں کے لئے یہ آسانی ہے کہ ہم ایک عالم کی نہیں، بلکہ ایک جماعت کی اقتدا کررہے ہوتے ہیں، جن کے سامنے ساری آیات ہوتی ہیں، سارا ذخیرۂ احادیث ہوتا ہے اور وہ پوری شریعت کو سامنے رکھ کے کسی ایک معاملہ میں اس کا حکم لگا رہے ہوتے ہیں، لہٰذا اس حکم پر عمل کرنے والا بہت محفوظ زندگی گذارنے والا ہوتا ہے۔

سوال: مجتہد کا اجتہاد ٹھیک نہ ہو تو کیا؟

جواب: مجتہد نے اپنی طرف سے پوری دیانت داری کے ساتھ محنت کی، اب اگر وہ صواب (درستگی) تک جا پہنچا تو دوگنا ثواب اور اگر اس سے کوئی خطا بھی ہوگئی تو اس کی نیک نیتی کی وجہ سے ایک ثواب اس کو ضرور ملے گا، وہ مجتہد بھی اللہ کے یہاں ماجور ہوگا اور یہ مقلد بھی اللہ کے یہاں ماجور ہوگا۔

سوال: کیا تقلید کا لفظ اجماع اور تواتر سے مستعمل ہے؟ یعنی کیا صحابہ سے آگے تابعین اور تبع تابعین میں تقلید کا یہ لفظ اس وقت بھی استعمال ہوتا تھا؟

جواب: جی ہاں، محدثین نے طبقاتِ حنفیہ، طبقاتِ شافعیہ، طبقاتِ حنابلہ، طبقاتِ مالکیہ لکھی، مگر آج تک کسی محدث نے طبقات غیر مقلدین نہیں لکھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا علمی رشتہ اوپر جا کر محدثین سے کہیں نہیں جڑتا، کوشش تو یہ بہت کرتے ہیں کہ ان کا علمی رشتہ جا کر کہیں محدثین سے مل جائے مگر وہ جا کے معتزلہ سے خود بخود جڑ جاتا ہے، اس لئے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ عامی آدمی بھی علتِ حکم کو جانے بغیر کسی کی بات کو قبول نہ کرے، یہ معتزلہ کا عقیدہ تھا اور تقریباً وہی عقیدہ آج کے غیر مقلدین کا ہے، اس لئے ان کا رشتہ تو خود بخود جا کے معتزلہ سے جڑ جاتا ہے۔

سوال: کیا چار اماموں کی تقلید کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے؟

جواب: جی نہیں، اہل علم کی اتباع کا حکم ہے، چار ائمہ کا ذکر تو نہیں ہے، اتنا ہے کہ تم اہل علم کی اقتدا کرو، جیسے

تلاوت قرآن کا حکم ہے، سبعہ عشرہ کے قرّاء کا تو کہیں ذکر نہیں کہ ان کے مطابق تلاوت کرو، یا ہم روایت حفص کے مطابق پڑھتے ہیں تو اس کا تو کہیں قرآن مجید میں تذکرہ نہیں، قرآن مجید میں تو صرف پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں علماء کی اتباع کرنے کا تذکرہ ہے، آگے اس اتباع میں اللہ تعالیٰ نے چار حضرات کو امت میں قبولیت عطا فرمائی اور پوری امت اس بات پر متفق ہوگئی کہ یہ جو مسائل اخذ کئے گئے ہیں یہ کتاب وسنت سے ہیں ان میں کسی ایک کے بھی پیچھے تم چلوگے تو تمہیں ان مسائل پہ چلنے سے اللہ کی رضا ملے گی۔

سوال: صحابۂ کرام سے لے کر امام ابوحنیفہؒ تک لوگ کس کی تقلید کرتے تھے؟

جواب: عالم اعلم کی تقلید کرتے تھے۔ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب ہے، مگر حافظ ابن قیم کے مطابق صاحبِ فتویٰ ان میں سے صرف ۱۴۹ تھے، ان میں سے سات مکثرین، ۲۰ متوسطین اور ۱۲۲ مقلّلین اور باقی سب صحابہ مقلدین تھے، وہ اپنے مسائل کے معاملہ میں علماء صحابہ سے فتوی پوچھ لیا کرتے تھے، تو صحابہ نبی علیہ السلام کی تقلید کرتے تھے، پھر نبی علیہ السلام کے بعد باقی صحابہ علماء صحابہ کی تقلید کرتے تھے پھر تابعین صحابہ کی تقلید کرتے تھے، پھر تبع تابعین تابعین کی تقلید کرتے تھے، اس طرح تقلید کا سلسلہ امت میں چلتا رہا۔ اس امت کی ابتدا ہی اعتماد سے ہے، بلکہ اس دین کی ابتدا ہی اعتماد سے ہے، دین کیا ہے؟ نبی علیہ السلام پر اعتماد کرتے ہوئے جو وہ فرمائیں اس کو قبول کر لینا، نبی علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اس کو قبول کر لینا کہ یہ صحیح کہہ رہے ہیں، اسی کو تو دین کہتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ دین کی تو بنیاد ہی اعتماد سے ہے، اگر کوئی اعتماد نہیں کرے گا تو وہ تو دین کو بھی نہیں قبول کر پاتا اور یہی اعتماد آگے چلتا چلا گیا۔

سوال: کیا مختلف شہروں میں مختلف صحابہ کی تقلید ہوتی تھی؟

جواب: جی ہاں، مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی، مدینہ میں حضرت زید بن ثابتؓ کی، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی، یمن میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی، بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ کی۔ اور یہ تقلید اس لئے ہوتی تھی کہ کسی کی مان کے چلنے میں انسان کے لئے بھی آسانی ہوتی ہے کہ اس میں نفس کو بہکانے کا موقع نہیں ملتا، وگرنہ تو انسان کا نفس انسان کو بہکا کے کہاں نہ لے گیا۔

یہیں اسی ملک کا واقعہ ہے، ایک مسجد ہے جسے عربوں نے بنائی ہے، وہاں پر ایک امام صاحب تھے، ہم نے ان کا نام فری لانسر رکھا ہوا تھا، جو ان کے دل میں آجاتا تھا وہ اپنی من مرضی سے جواب دیتے

تھے۔ایک پاکستانی خاتون جو کہیں دفتر میں کام کرتی تھی،اس نے مجھ سے مسئلہ پوچھا کہ یہ بتائیں کہ کیا عورت جو دفتر میں کام کرتی ہے جہاں دفتروں میں مرد بوس ہوتے ہیں،کولیگ ہوتے ہیں وہ تو سلام کرتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں،ہم لوگ بھی مجبور ہیں کہ ان کے دفتر میں کام کرتے ہیں تو کیا ان سے سلام کرسکتی ہیں اور ہاتھ ملاسکتی ہیں؟ میں نے اس کو سمجھایا کہ نہیں کرسکتی،شریعت اجازت نہیں دیتی،جب اس کو صاف بتادیا کہ اس کی کوئی اجازت نہیں،تو وہ کہنے لگی کہ اصل میں کل ہم نے جمعہ فلاں مسجد میں پڑھا تو ہمارے ساتھ مصر کی ایک لڑکی تھی وہ بھی میرے ساتھ دفتر میں کام کرتی ہے تو وہ کہنے لگی کہ چلو ہم مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ہمیں جو ہاتھ ملانے پڑتے ہیں وہ کیسا ہے،تو وہ کہنے لگی کہ میرے سامنے اس نے جا کے مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھا،مولانا صاحب نے کہا کہ ہاں تمہاری مجبوری ہے اس لئے تمہیں ہاتھ ملانا پڑ جائے تو تم استغفار چند دفعہ پڑھ لیا کرو۔ یہ ہوتا ہے فری لانسر بننے کا نتیجہ کہ پھر وہ یہ جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر ہاتھ ملانا پڑ جائے تو چند دفعہ استغفار پڑھ لیا کرو۔

سوال: ایک امام کی تقلید واجب کیوں؟

جواب: اگر شہر کی چار مسجدوں میں چار امام ہوں تو کسی ایک کے پیچھے نماز پڑھنا واجب ہوگا۔اسی طرح امت مسلمہ کا چار اماموں پر اجماع ہے،اب کسی ایک کی اقتدا واجب ہے۔

سوال: کیا تابعین کے دور میں بھی مختلف حضرات کی پیروی ہوتی تھی۔

جواب: جی ہاں،صدر الائمہ مکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء ابن ابی رباح سے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں کہ کس شہر میں کس فقیہ کی تقلید کی جاتی ہے؟ تو فرمایا ہاں،مدینہ میں امام شافعیؒ کی،مکہ میں عطاء ابن ابی رباح کی،یمن میں طاؤس کی،اور یمامہ میں یحییٰ ابن کثیر کی،شام میں مکحول کی،عراق میں میمون بن مہران کی،خراسان میں ضحاک بن فراہم کی،اور بصرہ میں حسن بصری کی،کوفہ میں ابراہیم نخعی کی۔

سوال: کیا چاروں اماموں نے بھی کسی کی تقلید کی تھی؟

جواب: جی ہاں فقہاء صحابہ اپنے دور کے امام تھے،تابعین وتبع تابعین میں ان کی تقلید جاری تھی۔حضرت امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے،آپ نے کئی مسائل میں دوسروں کی پیروی کی اور اسے تقلید کے لفظ سے تعبیر کیا ''قال الشافعی علیہ الرحمۃ: فی الضلع بعیر، قلتہ تقلیداً لعمر [1]'' (امام شافعی بھی یہی فرما رہے ہیں

[1] اعلام الموقعین لابن قیم علیہ الرحمۃ جلد ۳، ص ۴۸۲، مطبوعۃ: دار ابن الجوزی، المملکۃ السعودیۃ۔

کہ میں نے یہ جو بات کہی ہے تو میں نے عمرؓ کی تقلید میں یہ بات کہی ہے)، اس سے پتہ چلا کہ امام شافعی بھی اپنے سے بڑوں کی اقتدا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاذ عطاء ابن رباح کی بھی تقلید کی، چنانچہ ایک موقع پہ فرمایا: ''**قلتُه تقليداً لِعطاء**[1] '' کہ میں نے عطاءؒ کی تقلید میں یہ بات کہی ہے۔ ایک موقع پہ کہا: ''**قلتُه تقليداً لِعُثمان**[2] ''۔ ایک موقع پر فرمایا: ''**وإنما قلتُ بقول زيدٍ**[3] '' میں نے زیدؓ کے قول کے مطابق یہ بات یوں کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے پانی اور کنویں کے مسائل میں اکابر تابعین کے فیصلوں پر فتوے دئے'' **وهٰذا أبو حنيفة قال في مسائل الآبار ليس معه إلّا تقليد من تقدمه من التابعين فيها**[4] ''۔ (یہ امام ابوحنیفہؒ ہیں آپ نے کنوؤں کے مسائل میں فرمایا کہ آپ کے پاس پہلے اکابر کی تقلید کے سوا کچھ نہیں)۔ ''**وهٰذا مالک لا يخرج عن عمل أهل المدينة**[5] '' (یہ امام مالک ہیں جو عملِ اہل مدینہ سے باہر نہیں جاتے) اس سے معلوم ہوا کہ یہ ائمہ اپنے اوپر والے بڑوں کی تقلید کرتے تھے اور بعد والوں نے پھر ان ائمہ کی پیروی کی۔

اور امام بخاری بھی غیر منصوص مسائل میں تقلید کے قائل تھے، بخاری شریف پڑھئے کئی جگہ ''**قال ابراهيم**[6] '' اور ''**قال حسن**[7] '' اور ''**قال نخعي**[8] '' لکھا ہوا نظر آئے گا، پس معلوم ہوا کہ ائمہ بھی پہلوں کی تقلید کر کے آگے چلے ہیں۔ تقلید کے لفظ سے وحشت نہیں ہونی چاہئے۔ امام ابومحمد الحسن لکھتے ہیں: ''**واعلم أن الدين إنما هو بالتقليد والتقليد لأصحابِ محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''[9] (جان لو! دین تقلید کا ہی نام ہے اور تقلید اصحاب رسول اللہ کی پیروی سے ہی چلی ہے)، تو پتہ چلا کہ دین کی بنیاد ہی تقلید سے آگے چلی ہے، صحابہ نے نبی علیہ السلام کی تقلید کی، تابعین نے صحابہ کی اور یہ سلسلہ اسی طرح آگے چلا۔

سوال: کیا اب کوئی مجتہد پیدا ہو سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں، نہ محال شرعی ہے، نہ محال عقلی، مگر وہ کرے گا کیا؟ جس طرح آج کوئی محدث بن جائے تو کیا کرے گا؟ تدوینِ حدیث کا کام مکمل ہو چکا، اسی طرح تدوینِ فقہ کا کام مکمل ہو چکا، تو مجتہد تو یقیناً کوئی نہ کوئی ہو سکتا ہے مگر کام اتنا مکمل ہو چکا کہ وہ اس میں اور آگے کام کیا کرے گا۔

---

[1] اعلام الموقعين لابن قيم رحمه الله جلد ۳، ص ۴۸۲، مطبوعة: دار ابن الجوزي، المملكة السعودية۔ [2] ايضاً [3] ايضاً۔ [4] ايضاً۔ [5] ايضاً۔ [6] كتاب الحيض، باب اذا حاضت في شهر ثلاث حيض۔ [7] كتاب الكفالة، باب: من تكفل عن ميت دينا فليس له ان يرجع۔ [8] كتاب الاكراه، باب يمين الرجل لصاحبه انه اخوه اذا خاف عليه القتل او نحوه۔ [9] شرح السنة لابي محمد حسن بن علي البربهاري، ص ۹۹، مطبوعة: مكتبة الغرباء الاثرية مدينة منورة۔

سوال: غیر مقلد کسے کہتے ہیں۔

جواب: جو نہ خود اجتہاد کر سکتا ہو، نہ کسی کی تقلید کرے، نہ امام نہ مقتدی، نہ حاکم نہ رعایا، ان میں سے بعض انگریزوں کے خلاف جہاد کو حرام اور مسلمانوں کی مسجدوں میں فساد کو فرض سمجھتے ہیں، اتنے اختلافات کسی فرقہ میں نہیں جتنے غیر مقلدین میں ہیں، عرف عام میں جو کسی اصول کا پابند نہ ہو اسے ''آوارہ'' کہتے ہیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ دین میں جو آوارہ مزاج ہو اس کو دوسرے الفاظ میں غیر مقلد کہتے ہیں۔ معتزلہ کا مذہب ہے کہ عامی علتِ حکم جانے بغیر عالم کے قول پر اعتماداً عمل نہیں کر سکتا: ''وحُکِیَ عن بعضِ المعتزلة أنه قال: لایجوز للعامی العملُ بقول العالم حتی یعرف علةَ الحکم'' بعض معتزلہ سے مروی ہے کہ عامی کے لئے کسی عالم کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ علتِ حکم کو نہ پہچان لے۔

تقلید شخصی

سوال: کیا امام مجتہد کی تقلید مسلمانوں کے لئے فرض ہے یا واجب یا مباح ہے؟

جواب: مطلق تقلید فرض ہے، تین دلائل دئے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون'' اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔ یہ ''فاسئلوا'' امر کا صیغہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ ہم پابند ہیں کہ ہمیں جن باتوں کا پتہ نہیں ہم اپنے بڑوں سے اس کو پوچھیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اطیعوا اللّٰہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم'' اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ ''اولی الامر'' کی تفسیر میں صحابہ وتابعین اور تبع تابعین نے کہا ہے کہ اس سے خلفاء اور علماء وفقہاء مراد ہیں۔ رئیس اہل حدیث مولانا صدیق حسن خان اس معنی کو اپنی تفسیر میں قبول کرتے ہیں ''واولو الامر: هم الائمة والسلاطین والقضاة وامراء الحق ولاة العدل کالخلفاء الراشدین ومن یقتدی بهم من المجتهدین[1]'' کہ اس سے ائمہ کرام، خلفاء علماء اور فقہاء مراد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کو چاہئے کہ وہ ان حضرات کی اتباع میں اپنی زندگی گذارے۔

حدیث پاک میں ہے: ''انما شفاء العیّ السوال[2]'' نہ جاننے والوں کی شفاء اس میں ہے کہ وہ جاننے والوں سے دریافت کریں۔ مطلق تقلید کو محققین اہل حدیث بھی واجب تسلیم کرتے ہیں[3]، بعض

---

[1] تفسیر فتح البیان، جلد ۳، ص ۱۵۵، مطبعة: المکتبة العصریة، بیروت۔ [2] ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب فی المجروح یتیمم، حدیث ۳۳۶۔ [3] معیار الحق، ص ۷۵، مولفہ مولانا سید نذیر حسین دہلوی، مطبع: چٹان پریس لاہور۔

تو فرضیت کے قائل بھی ہیں یعنی کسی نہ کسی سے پوچھ کر چلنا اس کو تو سبھی مانتے ہیں، جو مقلد حضرات ہیں وہ تو مانتے ہی ہیں، جو غیر مقلد کہلاتے ہیں ان کے بھی بڑے کہتے ہیں کہ تقلید تو کسی نہ کسی کی کرنی چاہئے [1]، اب آگے مسئلہ ہوتا ہے تقلید شخصی میں کہ کسی ایک کی تقلید کرنی ہے یا (Pick and choose) کرنا ہے، اس کی تفصیل سن لیجئے۔

سوال: تقلید شخصی کیسے شروع ہوئی؟

جواب: دور صحابہ و تابعین میں تقلید شخصی و غیر شخصی دونوں پر عمل ہوتا تھا، کوئی ایک دوسرے پر گرفت نہیں کرتا تھا، نہ ہی ایک دوسرے کو باطل پر سمجھتے تھے، جب ابنائے زمانہ میں ہوئی وہوس کا غلبہ دیکھا گیا، لوگ رخصتوں کو تلاش کرنے لگے، خوف ہونے لگا کہ دین خواہشات کا مجموعہ نہ بن جائے تو علماءِ وقت نے عام لوگوں کو غیر شخصی تقلید سے روکا اور تقلید شخصی پر اجماع ہو گیا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ابتدا میں جو قاضی حضرات تھے وہ جس امام کے قول پر چاہتے تھے فیصلہ دیتے تھے اور یہ سلسلہ کئی سال چلتا رہا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ حالات میں تبدیلی آتی گئی، جب نبوت کے قرب کا زمانہ تھا تو دلوں میں اخلاص زیادہ تھا، اس وقت کے قاضی حضرات اس قدر باخدا تھے کہ وہ حکام کو بہت ڈانٹ ڈپٹ کے رکھتے تھے حتی کہ آتا ہے قاضی بکار کے بارے میں کہ ایک مرتبہ انھوں نے کوئی فیصلہ کیا تو بادشاہ بھی اس میں موجود تھا، تو لکھنے والے نے لکھا کہ بادشاہ کی مجلس میں قاضی کی موجودگی میں یہ فیصلہ ہوا تو جب اس نے لکھ کے قاضی صاحب کو دستخط کے لئے دیا تو قاضی صاحب نے وہ کاغذ بادشاہ کے سامنے اس بندے کے منہ پہ مار دیا اور غصہ ہوئے، بادشاہ نے پوچھا کہ غصہ ہونے کی کیا وجہ؟ اس نے کہا کہ اس کو یہ لکھنے کی جرأت کیسے ہوئی کہ بادشاہ کی محفل میں قاضی کے سامنے یہ فیصلہ ہوا، یوں لکھو کہ قاضی کی محفل میں بادشاہ کے سامنے یہ فیصلہ ہوا، تو بادشاہ کو بھی بات ماننی پڑی۔ یہ ایسے لوگ تھے جو بادشاہوں کو بھی ڈانٹ دیا کرتے تھے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ فضل بن مکی ہارون رشید کو اُن سے ملانے کے لئے لے کے آیا تو انھوں نے پہلے تو دروازہ ہی نہ کھولا، جب اس نے کہا کہ آپ کے سامنے امیر المؤمنین آئے ہیں اور آپ دروزہ کھول نہیں رہے ہیں تو انھوں نے دروازہ تو کھولا مگر چراغ بجھا دیا، اس نے کہا کہ

---

[1] اشاعۃ السنۃ نمبر ۴، جلد ۱ مطبوعۃ ۱۹۸۸، بحوالہ: "اختلاف امت اور صراط مستقیم" ص ۲۷ جلد اول۔

آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا؟ انھوں نے کہا میں آنے والے مہمانوں کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا، اس نے کہا ہم تو آپ کو ملنے آئے ہیں، تو اندھیرے میں ہارون رشید نے ان سے ہاتھ ملایا، تو انھوں نے ہارون رشید کا ہاتھ جب ہاتھ میں لیا تو کہنے لگے کہ یہ کتنا نرم ہے اگر جہنم کی آگ سے بچ جائے تو کتنا اچھا ہے۔ پھر ہارون نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کر دیں، تو انھوں نے ایسی نصیحت کی کہ بادشاہ کا ان کی نصیحت کو سن کر روتے روتے برا حال ہو گیا۔ یہ ایسے لوگ تھے کہ بادشاہوں کو بھی وہ اس طرح خوف خدا یاد دلاتے تھے کہ وہ رو رو کر بے حال ہو جاتے تھے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ کیا ہوا کہ جو حاکم لوگ تھے انھوں نے چاہا کہ ہماری مرضی پوری ہونی چاہئے، ہم اپنوں کو نوازیں اور جو مخالف ہیں ان کو ہم محروم کریں جیسا کہ طریقہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا طریقہ انھوں نے یہ نکالا کہ اب قاضی کی مسند پر اس کو بیٹھاؤ جو ہمارا اشارہ ذرا سمجھے، چنانچہ جب ان کی اپنی مرضی کا بندہ ملتا تو اس کو قاضی بناتے تو، اب اگر کوئی بندہ اس کا اپنا ہوتا تو وہ قاضی صاحب سب اقوال میں سے جو نرم قول ہوتا اس پر فتوی دیتے اور جب کوئی دوسری پارٹی کا بندہ ہوتا تو جو سزا کسی کے قول کے مطابق سب سے سخت ہوتی اسی کے مطابق اس کو وہ سزا دیتے، جب یہ سلسلہ چلنا شروع ہوا تو جو وقت کے علماء تھے، جن کے دلوں میں دین کا درد تھا، جو باخدا لوگ تھے، جو اللہ کی منشا کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے تھے، انھوں نے اس چیز کو دیکھا تو بہت متفکر ہوئے کہ اگر یہ معاملہ چلتا رہا تو یوں تو دین کی شکل ہی بگڑ جائے گی، نہ لوگوں کو انصاف ملے گا، نہ حکم خدا ہی ان پر لاگو ہوگا، یہ تو انسان کی اپنی مرضی بندوں پر لاگو ہو جائے گی لہٰذا اس کا کوئی حل ڈھونڈنا چاہئے چنانچہ وقت کے اکابرین نے بالآخر یہ سوچا کہ یہ جو قاضی حضرات ہیں ان سب پر پابندی لگا دینی چاہئے کہ یہ ایک مسلک کو جس کو یہ بہتر سمجھتے ہیں اس کو چنیں پھر جتنے یہ فیصلے کریں اپنی مرضی سے نہ کریں، بلکہ اس امام کے مسلک کے مطابق وہ فیصلہ کریں، تاکہ ان کی اپنے نفس کی خواہش نہ چل سکے، بادشاہوں کی خواہش نہ چل سکے، منشائے خداوندی چلے، جب انھوں نے یہ کیا تو آہستہ آہستہ لوگ اس بات پر متفق ہوتے گئے، یہ کوئی ایک دن میں نہیں ہوا، دو دن میں نہیں ہوا، بلکہ سالوں گذرتے گئے اور امت کے علماء اکٹھے ہوتے ہوتے بالآخر ایک وقت آیا کہ امت کے جتنے بھی فقہاء تھے سب اس بات کے اوپر اجماعی طور پر متفق ہو گئے کہ اب ہمیں کسی نہ کسی ایک کی پیروی کرنی چاہئے، تاکہ یہ کنجی ہر ایک کے ہاتھ میں نہ ہو کہ وہ جہاں چاہے Play کر سکے۔

تو پتہ چلا کہ پہلے تقلید مطلق شروع ہوئی، پھر اس کے بعد اس کے نقصان سے بچنے کے لئے تقلید

شخصی شروع ہوگئی اور یہ امت میں آگے چلتی چلی آئی۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آج دین ہمارے پاس محفوظ حالت میں ہے، اگر یہ دین اگر ہماری چوائس (انتخاب) پر ہوتا تو ہم تو اپنے نفس کی خواہشات کو سامنے رکھ کے پتہ نہیں کہاں کہاں سے آسانیاں ڈھونڈ کے لاتے اور پھر ایسا ایک دین بنا دیتے کہ جو اصلی شکل سے ہٹ کر کسی اور شکل کا دین ہوتا۔ یہی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''**وبعد المائتین ظهر فیهم التمذهب للمجتهدین بأعیانهم وکان هٰذا هو الواجب فی ذلک الزمان**[1]'' دوسری صدی کے لوگوں میں خاص خاص ائمہ کے مذہب کی پابندی سے تقلید شخصی شروع ہوئی، اس زمانہ میں یہی واجب تھی۔

سوال: تقلید شخصی واجب کیوں ہے؟

جواب: تقلید فرض ہے اور اس کے ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں، تقلید غیر شخصی اور تقلید شخصی، جب تقلید غیر شخصی مضر ثابت ہوئی تو فرض ادا کرنے کی ایک ہی صورت باقی رہی، پس تقلید شخصی بوجہ ذریعۂ ادائے فرض ہونے کے واجب ہوئی۔

سوال: مجتہدین کے درمیان اختلاف کی حقیقت مثال سے واضح کریں۔

جواب: اگر کوئی شخص اپنے خادم سے کہے کہ کسی بچے کو بلا لاؤ، اب خادم کو اختیار ہے کہ حبیب اللہ کو بلائے یا سیف اللہ کو، دونوں صورتوں میں حکم کی تعمیل ہو جائے گی، لیکن اگر حبیب اللہ کو بلانا زیادہ موزوں تھا اور اس نے حبیب اللہ کو ہی بلایا تو مالک کی دوہری خوشی ہوگی، لیکن اگر سیف اللہ کو بلایا تو ایک خوشی ضرور ہوگی کہ حکم مان لیا، پس اگر مجتہد نے اجتہاد شرعی اصولوں کو سامنے رکھ کر کیا تو حکم پورا ہو گیا، اب اگر اجتہاد صحیح تھا تو دوہرا ثواب اور اگر اجتہاد صحیح نہ تھا تو ایک ثواب، پس مجتہدین کا اختلاف صحیح اور غلط میں نہیں بہتر اور بہترین میں ہے۔

سوال: تقلید شخصی کے وجوب میں کوئی واضح مثال پیش کریں۔

جواب: قرآن کریم ''سبعۃ احرف'' سات لغت پر نازل ہوا، اور عہد نبوت میں سات لغت میں پڑھا جاتا رہا، حضرت عثمانؓ کی دور میں جب عجم کی فتوحات ہوئیں تو ڈر ہوا کہ اُحرُف سبعہ اہل عجم کے لئے مشکلات وتحریفات کا سبب نہ بن جائیں، پس عثمان غنیؓ نے ایک ہی لغت میں قرآن پڑھنے کا حکم فرمایا، باقی لغات میں پڑھنے لکھنے سے عوام الناس کو ممانعت فرمادی، صحابۂ کرام نے اسے بچشم صواب دیکھا اور اس پر متفق ہو گئے، پس باجماعِ صحابہ سبعۃ احرف میں سے حرف واحد پر اقتصار کرنا واجب سمجھا گیا۔ یہی مثال تقلید شخصی

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۵۷، باب ۴، مطبع مجتبائی مع اردو ترجمہ۔

کے وجوب کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ ؒ کو غیر مقلدین بھی امام مانتے ہیں، انھوں نے اپنے فتاویٰ میں تقلید شخصی پر اجماعِ امت کا دعوی کیا ہے۔[۱]

بندہ کہیں ایسی جگہ پہنچے کہ اسے قبلہ کی سمت کا پتہ نہیں تو وہ کیا کرے؟ تو شریعت کا حکم ہے کہ وہ شخص تحری سے سمت قبلہ معلوم کرے یعنی اندازہ کرے اور اٹکل لگائے کہ قبلہ کدھر ہے اور جدھر اس کی طبیعت مطمئن ہو ادھر رخ کر کے نماز پڑھے۔ پھر جب تحری سے قبلہ کی سمت معلوم کر لے تو اس پر واجب ہے کہ پوری نماز میں صرف اسی طرف رخ کرے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی ابتداء اس پر واجب نہ تھی لیکن جب اس نے کسی کی تقلید کر لی تو اس پر یہ واجب ہے کسی سہولت نفس کی وجہ سے اس تقلید سے نہ نکلے، یہ نہیں کہ جدھر نرمی دیکھی ادھر لپک پڑا، یہ شریعت کی پیروی نہیں، نفس کی پیروی ہوئی۔

سوال: دور صحابہ میں تقلید شخصی کی مثال بخاری شریف سے دیں۔

جواب: مدینہ کی ایک عورت نے طواف زیارت تو کرلیا تھا، حج مکمل کرلیا، اب صرف طواف وداع رہ گیا تھا، لیکن اس سے پہلے وہ حائضہ ہوگئی، حائضہ ہونے کی وجہ سے وہ مسجد میں جا نہیں سکتی، لہٰذا طواف کر نہیں سکتی جو واجب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی حج کرنے آئے ہوئے تھے، تو اب انھوں نے عبداللہ ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا کریں تو صحیح بخاری میں حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے: ''اِن أهل المدينة سَئَلوا ابنَ عباس عن امرأةٍ طافت ثم حاضت؟ قال لهم: تنفر، قالوا: لا نأخذ بقولك وندع قولَ زيد[۲]'' (اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوگئی تو طواف وداع کا انتظار کرے یا چلی جائے، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جا سکتی ہے، اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر زید بن ثابتؓ کے قول کے خلاف عمل نہ کریں گے) ابن عباسؓ کا اس معاملہ میں نظریہ یہ تھا کہ جب یہ حائضہ بن گئی تو یہ واجب اس سے ہٹ گیا لہٰذا اب وہ جا سکتی ہے، جب کہ زید بن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ انتظار کرے اور اس واجب کو پورا کر کے جائے، چونکہ مدینہ کے لوگ زید بن ثابتؓ کے قول پر عمل کیا کرتے تھے تو اہل مدینہ نے ابن عباسؓ کو جواب دیا کہ ہم زید بن ثابت کے قول کے خلاف آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے، ہم ان کے قول پر ہی عمل کریں گے۔ پتہ چلا کہ مدینہ کے لوگ ہر معاملہ میں زید بن ثابت کے قول ہی پر عمل کرتے تھے، اور اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔ اس واقعہ

---

[۱] فتاوی ابن تیمیه جلد ۲ ص ۲۴۳، مطبوعة: دار الكتب الحديثة مصر۔ [۲] بخاری، کتاب الحج، باب: اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت، حديث ۱۷۵۸۔

سے قرن اول اور حضرات صحابہ سے تقلید شخصی کا ثبوت بروایت بخاری ثابت ہوا۔

مسند ابی داؤد طیالسی میں بروایت قتادہؓ یہ الفاظ ہیں: ''**فقالت الانصار: لانتابعک یاابنَ عباس و أنت تخالف زیدا، فقال: سلو اصاحبتَکم أمَ سلیم**[1] ''(انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابت کے خلاف آپ کا اتباع نہ کریں گے، تو ابن عباسؓ نے کہا کہ آپ لوگ ام سلیم سے دریافت کرلیا کریں۔

سوال: تقلید ائمہ اربعہ ہی کی کیوں کی جاتی ہے، کیا دوسرا کوئی اس درجہ کا امام نہیں ہوا؟ جس کی تقلید کی جائے۔

جواب: ائمہ اربعہ پر سلسلۂ تقلید ختم ہونا کوئی امر عقلی یا شرعی نہیں، محض قدرتی ہے کہ تقلید چار میں منحصر ہوگئی، ورنہ شروع میں تو ۱۷ کے قریب ائمہ تھے جن کی تقلید امت میں چلی تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کے مقلدین گھٹتے گئے اور ۱۷ کے بجائے آہستہ آہستہ چار پر پوری امت سمٹ گئی، اب یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے، پس چارونا چار سلسلۂ تقلید ان ہی چار میں منحصر ہوگیا۔ مثلاً ایک شخص کی اولاد کثیر ہو مگر وہ مرتے رہے حتی کہ جب باپ کا انتقال ہوا تو چار بیٹوں کے سوا اور کوئی نہ رہا تو ظاہر ہے کہ تقسیم میراث ان ہی چاروں میں ہوگی۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ میراث چار میں کیوں منحصر ہوگئی؟ تو اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ بھائی مشیت ایزدی یہی تھی۔

☆☆☆

---

[1] مسند ابی داؤد الطیالسی، باب: ماروت ام سلیم عن النبی ﷺ حدیث ۱۶۵۶۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مناجات

دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ
سرکشتۂ و درماندہ بے ہمت و ناکارہ
شیطاں کا ستم خوردہ اس نفس کا دُکھیارا
آج اپنی خطاؤں کالادے ہوئے پشتارا
جذبات کی موجوں میں لفظوں کی زباں گم ہے
مضمون جو سوچا تھا کیا جانے کہاں گم ہے
سینے میں سلگتا ہے رہ رہ کے اک انگارا
آیا ہوں تیرے در پر خاموش نوالے کر
لیکن تیری چوکھٹ سے امیدِ سخالے کر
سینے میں تلاطم ہے دل شرم سے صد پارہ
امید کا مرکز یہ رحمت سے بھرا گھر ہے
محروم نہیں کوئی جس در سے یہ وہ در ہے
یہ نور کا قلزم ہے یہ امن کا فوارا
یہ کعبہ کرشمہ ہے یارب تیری قدرت کا
ہر آن برستا ہے ہُن تیری سخاوت کا
اس عالم بستی میں عظمت کا یہ چوبارہ
یارب مجھے دنیا میں جینے کا قرینہ دے
سیلابِ معاصی میں طاعت کا سفینہ دے
پھر دہر میں پھیلادے ایمان کا اُجیارا
یارب میری ہستی پر کچھ خاص کرم فرما
بھٹکے ہوئے راہی کا رُخ سوئے حرم فرما
کردے میرے ماضی کے ہر سانس کا کفارہ

آج اپنی خطاؤں کالادے ہوئے پشتارا
وارفتۂ و سرگرداں بے مایہ و بے چارہ
ہر سمت سے غفلت کا گھیرے ہوئے اندھیارا
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ
عالم ہے تحیر کا یارائے بیاں گم ہے
آنکھوں میں بھی اشکوں کا اب نام ونشاں گم ہے
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ
نیکی سے تہی دامن انبارِ خطالے کر
اعمال کی ظلمت میں توبہ کی ضیاء لے کر
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ
اس گھر کا ہر اک ذرہ رشک مہ واختر ہے
جو اس کا بھکاری ہے قسمت کا سکندر ہے
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ
ہر لمحہ یہاں جاری میزاب ہے رحمت کا
مظہر ہے یہ بندوں سے خالق کی محبت کا
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ
میرے دل ویراں کو اُلفت کا خزینہ دے
ہستی کے اندھیروں کو انوارِ مدینہ دے
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارا
بخشے ہوئے بندوں میں مجھ کو بھی رقم فرما
دنیا کو اطاعت سے گلزارِ ارم فرما
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان

جائزہ-مشورے-گذارشیں

(پہلی قسط)

[معہد الامام ولی اللہ الدھلوی للدراسات الاسلامیہ میں ممتاز عالم دین مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی یکم اور ۲/فروری ۲۰۱۲ء کو توسیعی محاضرات کے سلسلہ میں تشریف لائے تھے، ان کے پہلے محاضرے کی پہلی قسط افادۂ عام کی غرض سے پیش کی جارہی ہے —— ادارہ]

کشمیر کے معروف عالم دین جناب مولانا رحمت اللہ قاسمی ایک روز دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے، انھوں نے میرے گھر آنے کی زحمت کی، تھوڑی دیر ساتھ رہے، انہوں نے بتایا کہ کشمیر میں عیسائی مشنریز بہت سرگرم ہیں، رفاہ عام اور خدمت خلق کے ذریعہ مشنریز مسلم نوجوانوں کو اپنا شکار بنارہی ہیں اور انہیں باقاعدہ عیسائیت میں داخل کررہی ہیں۔

لیپ ٹاپ ان کے ساتھ تھا انہوں نے اپنا لیپ ٹاپ کھول کر یہ ایمان سوز منظر دکھایا کہ کشمیر کے ایک گرجا میں اتوار کے روز دو پادری مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو بپتسمہ کی رسم ادا کرا کے عیسائیت میں داخل کررہے ہیں ایک چھوٹے سے حوض نما جگہ میں انہیں ڈبکی دلوائی جاتی ہے۔ اور یسوع مسیح سے وفاداری کا حلف دلایا جاتا ہے، موصوف کی رپورٹ کے مطابق کشمیر کے مختلف گرجا گھروں میں اتوار کو اس طرح کے پروگرام ہوتے ہیں۔ لیپ ٹاپ سے جو منظر انہوں نے دکھایا اس میں دس سے زیادہ افراد کو داخل مسیحیت

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر معہد الشریعہ لکھنؤ

کیا گیا۔ بہر حال یہ منظر دیکھ کر اور مولانا موصوف سے کشمیر میں عیسائی مشینریز کی سرگرمیوں اور ان کے نتائج کی تفصیلات سن کر دل بے چین ہو گیا۔ اس سلسلہ میں کچھ معروضات قلمبند ہو گئے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ معہد الامام ولی اللہ کے حوصلہ مند نوجوان علماء کے سامنے سب سے پہلے میں ان ہی معروضات کو پیش کروں۔

عیسائی مشنریز اور مغربی استعمار

عیسائی مشنریز کی دعوتی سرگرمیاں کئی صدیوں سے جاری ہیں، ایشیا اور افریقہ میں ان کی آمد مغربی سامراج کے ساتھ ہوئی ہے۔ یورپ کے جن عیسائی ممالک نے ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک کو فتح کیا، انہیں اپنی نوآبادیوں میں شامل کیا انہوں نے اپنی سرپرستی اور بھرپور مدد سے عیسائی مشنریز کو دعوتی کاموں کے زبردست مواقع فراہم کئے، ان کے لئے موافق ماحول پیدا کیا اور ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کیا—— اس سلسلے میں کسی عیسائی ملک کا استثناء نہیں کیا جا سکتا۔

برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس، ہالینڈ، پرتگال، اسپین، ہنگری وغیرہ تمام استعماری ممالک نے اپنے مفتوحہ ممالک اور نوآبادیات میں عیسائی مشنریز کو ہر طرح کے مالی اور افرادی وسائل فراہم کئے، ان کی ہمت افزائی کی اور پوری سخاوت کے ساتھ ان کے لئے بجٹ فراہم کئے۔

تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ استعمار اور استبشار (سامراج اور مسیحی دعوتی سرگرمیوں) میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، ہر ایک نے دوسرے کو سہارا دیا ہے اور ایک دوسرے کو پھلنے پھولنے اور پنپنے میں زبردست مدد کی ہے، مغرب کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں آنے کے بعد امریکہ بھی عیسائی مشنریز کی حمایت میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔

یورپ کے فاتح سلاطین اور حکمراں ملکی فتوحات کے ساتھ مذہبی فتوحات کا بھی غیر معمولی جذبہ رکھتے تھے، اسی لئے عسکری افواج کے ساتھ مشنری فوجیں بھی ان کے جلو میں آتی تھیں، عیسائی پادری ان کے مفتوحہ ملکوں میں کھلم کھلا عیسائیت کی دعوت دیتے تھے، اور دوسرے مذاہب خصوصاً اسلام پر اعتراضات کرتے۔ مسلمان علماء اور عوام کو مناظرے کا چیلنج کرتے۔

ہندوستان اور مشنری سرگرمیاں

ہندوستان میں انگریزوں کے دور اقتدار میں پادری فنڈر اور اس کے ساتھیوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ میزان الحق اور اس طرح کی دوسری کتابیں لکھ کر ان لوگوں نے برملا مسلمانوں کو مناظرے کا چیلنج

دے رکھا تھا اور یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی کہ مسلمان علماء ہمارے سوالات اور اعتراضات کا جواب دینے سے قاصر ہیں، لہذا مذہب حق اسلام نہیں بلکہ عیسائیت ہے، اس وقت اللہ تعالی نے اسلام کی نصرت کے لئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے رفقاء (خصوصاً ڈاکٹر وزیر خاں) کو کھڑا کیا، مولانا نے اکبر آباد کے دو مناظروں میں پادری فنڈر کو شکست فاش دی۔ اور اپنی گراں قدر تصنیفات (ازالۃ الشکوک، ازالۃ الاوھام، اظہار الحق، اعجاز عیسوی وغیرہ) کے ذریعہ علم واستدلال کی سطح پر اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کو اس طرح ثابت کیا کہ عیسائی پادری علم واستدلال کے میدان میں کھڑے رہنے کے لائق نہیں رہ گئے، مولانا حالیؒ حیات جاوید میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اسلام تین خطروں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری اس کی گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قحط کے دوروں میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھراؤ مل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔

پہلا خطرہ: ہندوستان میں سب سے زیادہ ان کے دانت مسلمانوں پر تھے، اور اس لئے ان کی منادیوں میں، ان کے اخباروں میں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق وعادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آ گئے، اس خطرہ سے بلا شبہ بعض علمائے اسلام (شکر اللہ مساعیہم) جیسے مولانا رحمت اللہ مرحوم اور مولوی حسن اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے، انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلہ میں لکھیں، اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے جس سے یقینا مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا، لیکن اس کا اثر مسلمانوں ہی تک محدود رہا، عیسائیوں کی غلط فہمیاں جو اسلام کی نسبت قدیم سے چلی آتی تھیں، وہ بدستور قائم رہیں''۔

(حیات جاوید، ص: ۴۱۴۔ ترقی اردو بیورو نئی دہلی۔ دوسرا ایڈیشن: ۱۹۸۲ء)

علامہ سید سلیمانؒ ندوی حیات شبلی میں لکھتے ہیں:

''انگریزوں کے برسرِ عروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا، عیسائی مشنریز نے اپنی نئی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ روئین پر حملے شروع کردئے، دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانوں سے

نجات پا کر ان پر حملہ کی جرأت پائی، اور سب سے آخر میں یوروپین علوم وفنون وتمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھ کو خیرہ کرنے لگی، خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند)، مولانا رحم علی صاحب منگلوری، مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری (سابق ناظم ندوۃ العلماء) وغیرہ اشخاص پیدا کئے جنہوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اڑادئے، اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تو ردِّ عیسائیت کے باب میں تائید غیبی سے کم نہیں، اور کون باور کرسکتا تھا کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خان جیسا آدمی پیدا ہوگا، جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل، اور عبرانی ویونانی کا ایسا واقف ہوگا، جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا، اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابل شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کردے گا۔ (حیات شبلی ص: ۱۹۸۳ء طبع چہارم)

عیسائی مشنریز کا نیا طریقہ کار

عیسائی مشنریز کے ذمہ داران کو بہت پہلے سے اس بات کا احساس ہوگیا کہ مناظروں کے ذریعہ انہیں زیادہ کامیابی نہیں مل رہی ہے بلکہ مناظرے ان کے کاز کیلئے نقصان دہ ثابت ہورہے ہیں، اس لئے انہوں نے طے کیا کہ مناظرہ اور بحث واستدلال سے گریز کیا جائے اور اپنے تمام وسائل اور توانائیاں تعلیم، رفاہی، سماجی اور طبی خدمات پر صرف کی جائیں۔

تعلیم کی راہ سے عیسائیت کا فروغ

تعلیم ذہن سازی کا بنیادی ذریعہ ہے، تعلیم کے ذریعہ ذہنوں کو بنایا اور بگاڑا جاتا ہے، خصوصاً ابتدائی بنیادی تعلیم بچوں کا ذہنی سانچہ تیار کرتی ہے اور نسل نو کی تعمیر یا تخریب میں بنیادی رول ادا کرتی ہے۔

اکبر الہ آبادی مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

علامہ اقبال مرحوم نے دوسرے انداز میں تعلیم کی اس اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

مشنری اسکول

عیسائی مشنریز اور گرجاؤں نے پوری دنیا میں تعلیمی اداروں کا جال پھیلا دیا اور اپنے تعلیمی اداروں میں معیار تعلیم بلند کرنے پر خصوصی توجہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مذہب اور قوم کے لوگ مسیحی تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں اور بچیوں کو داخل کرانا کامیابی کی کنجی سمجھنے لگے، اور یہ ادارے سو فیصد کامیاب سمجھے جانے لگے، مشنریز اسکولوں میں بڑی خاموشی اور حکمت سے یسوع مسیح اور عیسائی مذہب کی عظمت اور حقانیت معصوم بچوں کے دل و دماغ میں پلا دی جاتی ہے، ان اسکولوں کے ذریعہ عیسائیت کے فروغ و اشاعت کا کام بڑے پیمانے پر انجام پا رہا ہے، بلا مبالغہ ان اسکولوں کے ذریعہ سالانہ ہر ملک میں ہزاروں بچے بچیاں عیسائیت کی گود میں جا رہے ہیں اور عیسائیوں کی مردم شماری بڑھ رہی ہے، خصوصاً افریقہ اور ایشیا میں۔

پسماندہ علاقوں میں عیسائیوں کے تعلیمی ادارے

عیسائیوں کے مشنری اسکول اور کالجز ایسے دور افتادہ، پسماندہ علاقوں میں بھی ہیں جہاں تعلیمی ادارے قائم کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پہاڑی اور قبائلی علاقوں میں بھی ان کے تعلیمی ادارے اپنا کام کر رہے ہیں۔ غریب اور پسماندہ علاقوں میں جہاں بچوں کی تعلیم پر مال خرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی یا تعلیم کا رجحان مفقود ہوتا ہے، مشنری اسکولس مفت تعلیم کا بھی بندوبست کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات تعلیم کا رجحان پیدا کرنے کیلئے تعلیمی وظائف کا بھی نظم کرتے ہیں۔

رفاہی اور طبی خدمات اور عیسائی مشنریز

عیسائی مشنریز اور کلیساؤں نے سماجی، رفاہی اور طبی خدمات کو بھی اپنے مذہب کی اشاعت کا بڑا

ذریعہ بنایا ہے، آسمانی آفات (سیلاب، زلزلہ، وغیرہ) کے موقع پر ان کی سماجی اور رفاہی تنظیمیں بڑی دریا دلی سے آفت رسیدہ لوگوں کی مدد کرتی ہیں، ان کی ضرورت مہیا کرنے اور ان کی آبادکاری پر بے دریغ صرف کرتی ہیں۔ مختلف ممالک کے درمیان جنگوں کے موقع پر ترک وطن کرنے والوں کی راحت رسانی، آبادکاری نیز زخمیوں کے علاج ومعالجہ میں عیسائی مشنریز اور ان کی ذیلی تنظیمیں پیش پیش رہتی ہیں۔ اکثر ممالک اور علاقوں میں مشنریز کے اسپتال اور طبی مراکز موجود ہیں جہاں بلاتفریق مذہب وملت مریضوں کا علاج ہوتا ہے، اور غریب مریضوں کا مفت علاج ہوتا ہے، ان سماجی رفاہی اور طبی خدمات کے ذریعہ عیسائی مشنریز لاکھوں انسانوں کا دل جیت لیتی ہیں، اور جو لوگ ان کی رفاہی اور طبی خدمات سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں وہ ان کے اسیر ہوجاتے ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہوتی ہے، بہت سے جاہل اور مفلوک الحال مسلمان جنہیں دین وایمان کی خبر نہیں ہوتی ایمان واسلام کی بیش بہا دولت گنوا کر عیسائیت کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور متاع ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں (اعاذنا اللہ من ذلک)

ایک ناقابل فراموش واقعہ

اس سلسلے میں میں اس واقعہ کو کبھی نہیں بھول پاتا جو میرے ساتھ ۲۰۰۴ء میں امریکہ میں پیش آیا، امریکہ کے ایک سفیر میں عیسائیوں کے کچھ کلیساؤں، عیسائی مشنریز کی رفاہی اور سماجی تنظیموں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، امریکہ کے مشہور شہر ڈنور میں ایک رفاہی تنظیم کے آفس میں گئے، ان لوگوں نے ایک مختصر پروگرام کرکے اپنی فلاحی اور رفاہی سرگرمیوں سے واقف کرایا، انہوں نے اپنا ایک اہم کام یہ بھی ذکر کیا کہ ہم لوگوں نے صومالیہ کے بہت سے لوگوں کو جو وہاں کی خانہ جنگی کی وجہ سے اجڑ گئے تھے اور اسباب معاش سے محروم تھے صومالیہ سے نکال کر امریکہ پہنچایا ہے اور انھیں امریکہ میں آباد کردیا ہے، انھیں امریکی شہریت دلانے کی کوشش ہورہی ہے، چند صومالیوں سے اس پروگرام میں مختصراً بیان بھی کروایا کہ ہم لوگ صومالیہ میں کتنے خطرناک حالات کے شکار تھے، اور مشنریز کے لوگوں نے کس طرح ہماری مدد کی اور ہمیں موت کے منہ سے نکالا۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا اور حاضرین ایک دوسرے سے متعارف ہورہے تھے اور آپس میں باتیں کررہے تھے، اسی اثناء میں ایک صومالی نوجوان میرے پاس آیا اس نے مجھے سلام کیا اور فصیح عربی میں بات کرنی شروع کی، اس کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ واقعی خانہ جنگی کی وجہ سے

ہمارے ملک کے حالات ایسے ابتر ہو گئے تھے کہ وہاں رہنا ہمارے لئے ممکن نہ رہا تھا اور اس رفاہی تنظیم نے بر وقت ہماری مدد کر کے ہمیں امریکہ پہنچایا اور یہاں ہمیں آباد کرنے کی پوری فکر کر رہے ہیں، بلا شبہ ان لوگوں کا ہم پر بڑا احسان ہے۔

پھر اس نوجوان نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ: شیخ میں جامعۃ الازھر کی کلیۃ الشریعۃ کا فارغ ہوں، مجھے ایمان کی قدر و قیمت معلوم ہے، اس لئے مجھے اپنے بارے میں خطرہ نہیں ہے لیکن ہمارے ساتھ جو دوسرے نوجوان امریکہ آئے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ دین و ایمان سے بڑی حد تک ناواقف ہیں، وہ لوگ عیسائیوں کے اس کردار سے حد درجہ متاثر ہیں، مجھے ان کے ایمان کے بارے میں خطرہ ہے، آپ دعا فرمائیں کہ ان کا ایمان محفوظ رہے۔

ان جملوں کو ادا کرتے وقت نوجوان کی آنکھیں اشک بار تھیں، اس کے چہرے سے فکر و تشویش کی لکیریں واضح تھیں، میں نے اس نوجوان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالی سے مجھے پوری امید ہے کہ آپ کی اس فکر مندی کی برکت سے انشاء اللہ آپ کے ساتھیوں کا ایمان محفوظ رہے گا اور میں ان کے ایمان کی حفاظت کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔

اس واقعہ نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا اور میں سوچنے لگا کہ خدا جانے کہ حالات کے مارے ہوئے، فقر و فاقہ کے شکار کتنے مسلمان پوری دنیا میں عیسائی مشنریوں کے ہاتھوں اپنا سرمایہ ایمان گنوا رہے ہونگے اور مسلمان علماء، زعماء اور اغنیاء حالات سے بے خبر اپنی اپنی دنیا میں مگن ہیں۔

مسلمانوں میں مشنریز کی چراگاہیں

مسلمانوں میں عیسائی مشنریز اور دوسری غیر مسلم مشنریز کی چراگاہیں دو طبقے ہیں: ایک تو فقر و فاقہ کی مار کھا رہے پسماندہ مسلمان جن کی خبر گیری اور اعانت سے مسلمان اہل ثروت بالکل غافل ہیں اور انہیں حالات کے رحم و کرم پر یکا و تنہا چھوڑ دیا گیا ہے، ان تک غیر مسلم مشنریز پہنچتی ہیں، ان کے گھاؤ پر مرہم رکھتی ہیں، ان کے لئے ضروریات زندگی اور سہولیات فراہم کرتی ہیں اور ان کا دل جیت لیتی ہیں، اور انتہائی ذہانت اور حکمت سے انہیں اپنے مذہب اور مشن سے قریب کر لیتی ہیں۔ اس طبقہ کی اکثریت عموماً دین و ایمان سے بھی ناواقف ہوتی ہے۔ ایمان کی قدر و قیمت ان کے دل و دماغ میں پیوست نہیں ہوتی بلکہ یہ لوگ عموماً دین کی بنیادی باتوں اور ایمانیات سے بھی نابلد ہوتے ہیں اس لئے غیر مسلم مشنریز کا آسانی کے

ساتھ شکار ہوجاتے ہیں اور ایمان کی عظیم دولت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

عیسائی مشنریز کی مسلمانوں میں دوسری چراگاہ ہماری ملت کا وہ طبقہ ہے جو دین وایمان اور ان کی قدر وقیمت سے بالکل نا آشنا ہے، اسے کلمہ طیبہ تک یاد نہیں۔ ایمان کی حقیقت اور تقاضوں سے بے خبر ہے، جن گھروں میں دینی اور ایمانی ماحول نہیں ہے، دین وشریعت کا نہ علم ہے، نہ احترام، ایسے گھروں کے بچے جب مشنری اسکولوں یا لادینی ماحول والے اسکول وکالجز میں تعلیم پاتے ہیں اور اسی ماحول میں پروان چڑھتے ہیں تو کوئی مشن انہیں اپنا شکار بنالیتا ہے، عیسائی مشنریز کو اس سلسلے میں خصوصی تجربہ، مہارت اور چابکدستی حاصل ہے، مشنری اسکولوں کا نصاب ونظام ایسی مہارت اور ذہانت سے ترتیب دیا گیا ہے کہ عیسائی مذہب کی تعلیم وترویج کو اس کا اہم جز بنائے بغیر یسوع مسیح اور عیسائیت کی عظمت وتوقیر وہاں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے دل ودماغ میں پیوست ہوجاتی ہے اور غیر عیسائی بچے اپنے آبائی مذہب سے دور اور نفور ہوجاتے ہیں، بہت سے بچے اور بچیاں اپنے شوق سے یا ترقیات کی لالچ میں باقاعدہ عیسائی مذہب قبول کرلیتے ہیں۔

اصل کوتاہی ہماری ہے کہ تعلیم اور خدمت خلق جیسے اہم میدانوں کو ہم نے دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے اور ہماری کوششیں اور کاوشیں چند محدود میدانوں میں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔

شیخ الازہر عبدالحلیم محمود کا ایک بصیرت افروز تجزیہ

۱۹۹۹ء میں امریکہ کے ایک سفر میں وہاں کے مشہور شہر نیوجرسی میں ایک مصری عالم شیخ محمد الحائک سے ملاقات ہوئی، وہ نیوجرسی کے ایک بڑے اسلامک سنٹر میں امام وخطیب تھے، ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو رہی، عیسائی مشنریز کی دعوتی سرگرمیوں کا موضوع زیر گفتگو آیا تو انہوں نے ایک عجیب وغریب بات سنائی جس کا یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شیخ محمد الحائک نے فرمایا کہ ایک دن میرے استاذ شیخ عبدالحلیم محمود (جو بعد میں شیخ الازہر بنے، امام غزالیؒ کے علوم کے بڑے ماہر تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے جشن تعلیمی میں شرکت فرمائی تھی) نے دوران درس ہم طلبہ سے سوال کیا، عزیز طلبہ آج کل تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اخبارات میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں کہ اسلام افریقہ میں اپنی کشش اور کمال کی وجہ سے پھیل رہا ہے، اس طرح کی خبریں پڑھ کر آپ لوگوں پر کیا تاثر ہوتا ہے؟ طلبہ نے عرض کیا: ہم لوگوں کو غیر معمولی خوشی ہوتی ہے، ایسی خبریں پڑھ کر ہم لوگ

بے پناہ مسرور ہوتے ہیں۔

شیخ نے فرمایا: عزیز واس طرح کی خبریں مسلمانوں کو سلانے اور انہیں غافل کرنے کیلئے دی جاتی ہیں تاکہ مسلمانوں کا یہ ذہن بنے کہ ہمیں اسلام کی دعوت واشاعت کے لئے کسی خاص محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں ہے، اسلام تو خود اپنی خوبیوں کی وجہ سے تیزی سے پھیل رہا ہے، اس طرح کی خبریں چھاپ کر ہمیں سلایا جارہا ہے اور عیسائی مشنریاں بڑی خاموشی اور تیزی کے ساتھ افریقی ممالک میں اپنا دعوتی اور رفاہی کام کررہی ہیں، لوگ کثرت سے عیسائیت کی گود میں جارہے ہیں، اگر ہماری غفلت اور ان کی چابکدستی کا یہی حال رہا تو مجھے خطرہ ہے کہ بہت سے افریقی ممالک میں آبادی کا تناسب بدل جائے گا، جن ممالک میں عیسائی بڑی اقلیت میں ہیں وہاں وہ اکثریت میں آجائیں گے اور جہاں برائے نام اقلیت ہیں وہاں طاقتور اقلیت بن جائیں گے۔

شیخ محمد الحائک نے فرمایا: کہ اس وقت تو شیخ عبدالحلیم محمود رحمۃ اللہ علیہ کا انتباہ ہم میں سے کئی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا لیکن چند ہی سال کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ آبادی کا تناسب تیزی سے تبدیل ہوا ہے اور عیسائیوں کی آبادی اکثر افریقی ملکوں میں بڑھ رہی ہے۔

دنیا دارالاسباب ہے

یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں نتائج، کوشش اور محنت سے جوڑ دئے گیے ہیں۔ کوئی مذہب اور فلسفہ خواہ باطل اور انتہائی بودا اور کمزور ہو اگر اس کے لئے پوری محنت اور کوشش کی جائے تو اسے قبول کرنے والے اور اپنانے والے مل جاتے ہیں، اس کے برخلاف کوئی مذہب اور نظریہ خواہ کتنا ہی سچا اور مبنی برحق ہو اگر اس کے لئے دعوت واشاعت کی محنت نہ کی جائے تو اس کو فروغ نہیں ملتا۔

عیسائی مشنریاں کئی سو سال سے انتھک محنت کررہی ہیں اور عیسائیت کو پھیلانے کیلئے منصوبہ بندی اور تسلسل کے ساتھ تمام ممکنہ ذرائع کا استعمال کررہی ہیں، ان کی کوششوں کے نتائج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، بہت سے ممالک اور علاقوں میں ان کی اکثریت ہوچکی ہے، اور بہت سے وہ ممالک جہاں عیسائیوں کی آبادی بالکل نہیں تھی وہاں بھی عیسائیوں کی اچھی خاصی تعداد ہوچکی ہے۔ خود ہندوستان کے مختلف علاقے (مثلاً گوا۔ سکم، میزورم، ناگالینڈ) عیسائی اکثریت کے علاقے بن چکے ہیں۔

عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی دعوتی کوششیں سواں حصہ بھی نہیں ہیں، اس لئے ہماری

دعوتی فتوحات کا دائرہ سمٹتا ہی جارہا ہے، دعوت کے میدان میں ہم نئے میدان فتح کرنے کے بجائے اپنے مفتوحہ علاقوں کو بھی گنواتے جارہے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خالص مسلم ممالک میں عیسائی مشنریز خوب سرگرم عمل ہیں مثلاً بلاد عربیہ، ترکی، افغانستان، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا وغیرہ، اور اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہیں، ان ممالک کے بہت سے مرد اور عورتیں عیسائیت کی گود میں جاچکے ہیں ہمارے ملک کا مسلم اکثریتی صوبہ کشمیر بھی عیسائی مشنریز کا ایک بڑا مرکز ہے، اور وہاں بھی مسلمانوں کے عیسائیت قبول کرنے کے واقعات کثرت سے پیش آرہے ہیں۔

مسلمانوں کی دعوتی کوششیں

مختلف ملکوں میں اللہ کے کچھ بندوں اور بعض تنظیموں کی طرف سے بلاشبہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام ہورہا ہے، اور اس کے اچھے ثمرات ظاہر ہورہے ہیں لیکن یہ کوششیں مربوط، منظم اور منصوبہ بند نہیں ہیں اور ان کا حجم بھی بہت مختصر ہے، عیسائی مشنریز کے کاموں کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

پھر اس میدان میں کام کا دعویٰ کرنے والے بعض افراد اور تنظیموں کا کام بڑی حد تک کاغذی ہوتا ہے، اسلام قبول کرنے والوں کے بڑے بڑے اعداد وشمار شائع کئے جاتے ہیں اور اپنا کارنامہ بنا کر انہیں میڈیا میں شائع کیا جاتا ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوتا، اکادکا واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے، یہ صورت حال بڑی افسوسناک اور غیر دانشمندانہ ہے، قبول اسلام کے واقعات کا زیادہ چرچا کرنا اور انہیں ہائی لائٹ کرنا بڑی بے دانشی ہے، اعداء اسلام اس سے چوکنا ہوجاتے ہیں اور اپنی سرگرمیوں کو زیادہ تیز کردیتے ہیں۔

چند دہائیوں پہلے جنوبی ہند کے ایک گاؤں میناکشی پورم کے چند گھروں کے قبول اسلام کے واقعہ کو قومی پریس نے بہت نمایاں کیا اور اس کے بعد ہندوؤں میں مذہبی احیا پسندی جاگ اٹھی، متعدد تنظیمیں ہندگیر پیمانے پر سرگرم ہوگئیں، اس لئے دعوتی میدان میں کام کرنے والے مسلمانوں کو بہت محتاط رہنا چاہئے اور اپنی دعوتی کامرانیوں کو زیادہ نمایاں نہیں کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں بھی عیسائی مشنریز سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

مغربی ممالک اور اسلحہ سازی نیز جنگیں

مغرب کے عیسائی ممالک جو اپنے کو انصاف، انسانیت اور امن وامان کا نقیب اور علمبردار قرار

دیتے ہیں انہوں نے اسلحہ سازی اور جنگوں کو اپنی اقتصادیات کا اہم ترین ستون قرار دے رکھا ہے۔

بھاری اسلحہ سازی پر ان کی اجارہ داری ہے، جہاز سازی خصوصاً جنگی جہاز سازی کی صنعت ان کے ہاتھوں میں ہے، ایٹمی تجربات کرنے اور ایٹمی ذخائر جمع کرنے کا حق ان کا پیدائشی حق ہے، اگر کسی ترقی پذیر ملک کے بارے میں ایٹمی تجربہ کی تیاری کا شبہ بھی ہو جائے تو تمام ایٹمی طاقتیں اپنے لاؤلشکر کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور اسے کھنڈر بنا کر اور زبردست تباہی مچا کر دم لیتی ہیں۔

امریکہ، روس، فرانس، برطانیہ، جرمنی وغیرہ کی ملکی آمدنی کا بڑا حصہ اسلحہ کی تجارت سے حاصل ہوتا ہے، اسلحہ سازی کی صنعت میں نفع کی کوئی حد نہیں ہے، اس لئے یہ ممالک اندرونی طور پر اس پر متفق ہیں کہ اسلحہ سازی کی مخصوص ٹکنالوجی دوسرے ممالک کو حاصل نہ ہو سکے۔

اسلحہ سازی کی صنعت کو فروغ دینے کیلئے ضروری ہے کہ مختلف ملکوں کے درمیان جنگیں برپا ہوتی رہیں اور پڑوسی ممالک کے درمیان بے اعتمادی کی فضا قائم رہے بلکہ اس میں اضافہ ہوتا رہے، تاکہ وہ ممالک خوف ونفرت کی نفسیات میں گرفتار ہو کر اپنے تحفظ کیلئے منہ مانگے داموں پر اسلحہ ساز ممالک سے ان کی شرائط پر قیمتی اسلحہ کی خریداری کریں، اسی لئے دنیا میں امن وامان قائم نہیں ہو پا رہا ہے، ماضی قریب میں عراق ایران کی جنگ، کویت اور عراق کی جنگ، افغانستان اور عراق پر امریکہ اور اس کے حلیفوں کی فوج کشی مغربی ممالک کی جنگ جویانہ سیاست کی بدترین مثالیں ہیں۔

جنگوں اور قدرتی آفات کی آڑ میں فروغ عیسائیت:

جنگیں بھڑکانے کا ایک بڑا فائدہ تو اسلحہ کی تجارت کا فروغ ہے اور دوسرا فائدہ ان ممالک کا یہ ہوتا ہے کہ ان ممالک کی رفاہی اور خیراتی تنظیمیں جو عیسائی مشنریز ہی کا حصہ ہوتی ہیں جنگ زدہ ممالک میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور مقتولین اور زخمیوں کی امداد، رفیوجیوں کی راحت رسانی وغیرہ کے عنوان سے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیتی ہیں اور انہیں ان ممالک میں اپنے اثرات پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے، جہاں عام حالات میں ان کیلئے رسائی آسان نہیں تھی، افغانستان، پاکستان، عراق، بنگلہ دیش وغیرہ میں اسی راستے سے مشنریز کو اپنے اثرات بڑھانے اور ارتداد کی کاشت کرنے کا موقع ملا۔

عیسائیت کی نشر واشاعت کے لئے اور اس کی طویل المیعاد منصوبہ بندی کیلئے عیسائی مشنریز کی خفیہ کانفرنسیں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں، جن میں پچھلے چند سالوں کے کاموں اور کامیابیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور آئندہ سالوں کے لئے دعوتی کاموں کی منصوبہ بندی ہوتی ہیں، ان کانفرنسوں کی تفصیلی روداد اور فیصلے خفیہ

رکھے جاتے ہیں اور متعلقہ لوگوں ہی کو ان سے باخبر کیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی بعض کانفرنسوں کی خبریں اور قراردادیں لیک ہوجاتی ہیں اور عام لوگوں کو بھی ان کی خبر ہوجاتی ہے۔

اسی طرح کی ایک کانفرنس اکتوبر 1978ء میں شمالی امریکہ کے شہر کولوراڈو میں اس عنوان پر ہوئی ''مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے شمالی امریکہ کی کانفرنس'' یہ کانفرنس 15 اکتوبر سے دو ہفتہ تک چلی اور اس کی کارروائی بند کمرے میں خفیہ ہوئی، پوری دنیا کے ڈیڑھ سو سرگرم ترین مشنری نمائندوں نے اس میں شرکت کی، بہت بحث وتمحیص اور غور وخوض کے بعد منصوبہ تیار کیا گیا جس کو ہر طرح خفیہ رکھا گیا، اس کو بروئے کار لانے کیلئے ایک ارب ڈالر کا بجٹ مختص کیا گیا۔

اس کانفرنس کی ایک قرارداد یہ تھی کہ ''متعین بحران پیدا کئے جائیں تاکہ عالم اسلام توازن واعتدال سے باہر رہے، فقر وفاقہ، امراض اور جنگوں میں مبتلا رہے'' (اطلس انتشار الاسلام ص ۱۸)

رفاہی خدمات پر اجارہ داری

قدرتی آفات (زلزلہ، سونامی، قحط سالی وغیرہ) اور جنگی تباہ کاریوں کے موقع پر انسانی، رفاہی اور طبی خدمات کو ریڈ کراس اور عیسائی مشنریز نے اپنی اجارہ داری سمجھ لیا ہے، اور اس مخصوص میدان میں دوسرے تنظیموں کی مداخلت انہیں برداشت نہیں ہے، مسلم تنظیمیں ان میدانوں میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور اگر کچھ رفاہی تنظیمیں ان میدانوں میں سرگرم عمل ہونا چاہتی ہیں، تو ان کے لئے ناقابل عبور دشواریاں کھڑی کردی جاتی ہیں، یا ان پر دہشت گردوں کی امداد وغیرہ کی فرد جرم عائد کرکے پابندیاں لگادی جاتی ہیں تاکہ اس میدان میں ریڈ کراس اور عیسائی مشنریز کی اجارہ داری باقی رہے اور ان نازک حالات کا فائدہ اٹھاکر عیسائیت کے پرچار اور تبلیغ کا کام جاری رہے۔

شرمناک بات

ہمارے لئے شرمناک بات یہ ہے کہ مسلم ممالک کے تبرعات اور امدادیں بھی اُن ہی عیسائی تنظیموں کے ذریعہ جنگ زدہ اور مصیبت زدہ لوگوں تک پہنچتی ہیں اور مسلم قوم اپنے تمام وسائل اور بے پناہ دولت کے باوجود اپنے آفت رسیدہ اور جنگ زدہ بھائیوں کی امداد اور راحت رسانی سے بھی قاصر ہے۔

جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(اس مضمون کے اگلے حصے میں فاضل محاضر نے ''پس چہ باید کرد'' کے عنوان کے تحت متعین طور پر کچھ عملی تدبیروں کا مشورہ دیا ہے جس کے لئے اگلے شمارے کا انتظار کریں۔)

محمد اکرم قاسمی

معہد الامام ولی اللہ الدھلوی.... ایک طالب علم کی نظر میں

مادرِ علمی ''دارالعلوم دیوبند'' کے علمی اور روحانی ماحول میں ۸ سال کا طویل عرصہ بتوفیق الٰہی کامیاب طریقہ سے گذارنے اور وہاں کے فکری و علمی سرچشموں سے تابمقدور فیضیاب ہونے کے بعد، اب میرے سامنے ''خدمت دین'' کے وسیع ترین میدان میں، بالفعل اور عملاً اترنے کا نازک اور اہم مرحلہ تھا۔

اِدھر مختلف عوامل کے زیر اثر چند سالوں سے دل میں اس بات کا شدید احساس تھا اور اس کے لئے بہت دعائیں بھی کرتا تھا کہ رسمی فراغت کے بعد، کسی نوع کی خدمت سے وابستگی سے پہلے، کسی ایسے صاحبِ قلب ونظر کے یہاں ایک معتد بہ وقت گذارنے کی کوئی صورت نکل آئے، جس کے یہاں رہ کر ایک طرف یکسوئی کے ساتھ اپنے باطنی امراض کی طرف توجہ اور ان کی اصلاح کی کوشش کا موقع بھی میسر آئے اور دوسری طرف اُس کی رہنمائی میں، مزاجِ دین، تقاضاہائے زمانہ اور اپنی فکری و عملی سطح واستعداد کے لحاظ سے، اپنے لئے خدمت کے مناسب میدان کا انتخاب کیا جاسکے۔ تاکہ بوقتِ ''دمِ واپسیں'' دل کو یہ اطمینان رہے کہ ہاں، جو ایک زندگی مولائے کریم نے دی تھی وہ الحمدللہ وصول ہوئی اور توانائیاں صحیح مصرف میں صرف ہوئیں۔

واللہ! مجھ بے بضاعت کے پاس وہ الفاظ وتعبیرات نہیں ہیں، جن سے میں اپنے رب کریم کے تئیں اپنے دلی جذباتِ شکر کا اظہار کرسکوں....! ''اُدعونی اَستَجِب لکم'' اس کا فرمان بالکل سچا اور برحق ہے! اُس نے میری سن لی اور نیرل (مہاراشٹر) میں قائم ''**معہد الامام ولی اللہ الدھلوی للدراسات الاسلامیہ**'' میں پہنچا کر دو سال تک ایک عظیم شخصیت کی آغوشِ تربیت میں اور ایک اعلیٰ درجہ

کے علمی وروحانی ماحول میں رہ کر بھرپور استفادہ کرنے کا زریں موقع مجھے عنایت فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اِس انمول موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے مدارس میں تعلیمی سالِ رواں قریب الختم ہے۔ یہ دن وہ ہوتے ہیں جب کہ سند فراغت حاصل کرنے والے متعدد سنجیدہ طلبہ اپنے مستقبل کے بارے میں مختلف امکانات پر غور کررہے ہوتے ہیں۔ میرے دل میں شدید تقاضا ہوا کہ میں اپنے تجربے میں اپنے اِن قابل قدر ساتھیوں کو شریک کروں، اسی نیت سے چند سطریں قلمبند کی ہیں۔

معہد کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں پر ایک طائرانہ نظر

تعلیمی سرگرمیوں میں سب سے اہم، حضرت مدیر الفرقان مدظلہ کے دروس ہیں، حضرت والا سے تین اہم دروس متعلق ہیں:

(۱) **حجۃ اللہ البالغۃ**: اس دور میں مادی ترقی اپنے عرج پر ہے، مادہ پرستی اور ''نامعقول عقلیت پسندی'' انسانوں پر چھا گئی ہے اور ''آزادئ فکر'' کے علمبرداروں اور ان کے پیروکاروں کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ ہر بات کو، چاہے وہ دین کی ہو یا دنیا کی، اپنی ناقص عقل اور غیر متوازن فکر کی ترازو میں تولنا چاہتے ہیں، بلکہ تولتے ہیں، اُن کی فکرِ نارسا جس چیز کو صحیح اور درست قرار دے وہی اُن کے نزدیک صحیح ٹھہرتی ہے اور جس کو وہ رد کردے ان کی نگاہ میں وہ ناقابلِ قبول قرار پاتی ہے، چاہے اُن کی مادی عقلوں اور حیوانی طبیعتوں کے یہ فیصلے عین فطرتِ انسانی کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں ع

اے روشنئ طبع تو برمن بلا شدی

مغرب کی ذہنی غلامی کا یہ دور، مذہب اور مذہبی امور کے متعلق شکوک وشبہات کا دور ہے، وساوس واوہام اور شکوک وشبہات کے سیاہ بادل ہر طرف سے امڈ امڈ کر آرہے ہیں، ایسے میں علماء امت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نرمی اور سنجیدگی سے معقول علمی انداز میں ''شریعت محمدی'' کے فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ ہونے کو، بلکہ پروردگار کی طرف سے فطرت انسانی کی پکار کا جواب اور اُس کی طلب کی تکمیل ہونے کو، نیز ''شریعت محمدی'' کی عالمگیریت اور آفاقیت کو عالَم آشکارا کریں۔

اِس کے لئے بہترین اور قابلِ قدر سرمایہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' ہے، سچ پوچھئے تو یہ کتاب نئی روشنی کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں ''شمع روشن'' اور آج کی فکری بے راہ روی کے زہر کے لئے ''تریاق'' کی حیثیت رکھتی

ہے۔

آپ کو حق ہے کہ آپ ہمارے تاثر کو مبالغہ پر مبنی قرار دے سکتے ہیں، مگر یہ راقم سطور پوری دیانت داری کے ساتھ اپنا یہ طالب علمانہ تاثر نقل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' ایک ایسی کتاب ہے جس کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو یہ یقین واذعان حاصل ہوجاتا ہے کہ شریعت اسلامی کا ایک ایک حکم انسانیت کے لئے اس کے شفیق پروردگار کا سب سے بڑا تحفہ ہے —— اسلام ہی ہے جو فرد اور اجتماع، مادیت اور روحانیت، دنیا اور آخرت کے بظاہر متضاد تقاضوں کی بیک وقت مکمل رعایت پر مبنی ایک نہایت فطری اور خوبصورت طرز زندگی اور انسانی تمدن سکھاتا ہے —— کاش کہ ہر ذی استعداد طالب علم اِس کتاب کو اچھی طرح پڑھ لے تو اس سے وہ ''بصیرت'' حاصل ہوجائے گی جو دور حاضر میں اسلام کی دعوت اور اس کی تفہیم وتشریح کے لئے نہایت ضروری ہے.... اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ ہم طلبۂ علم کو اُس نے یہ کتاب، فکرِ ولی اللّٰہی کی ایک ماہر اور حامل و علمبردار شخصیت سے سبقاً سبقاً پڑھنے کا قیمتی موقع عطا کیا ہے۔ حضرت الاستاذ اس عظیم کتاب کا عجب دلنواز درس دیتے ہیں، جو ہمارے لئے بڑا ہی چشم کشا، بصیرت افروز اور فکر انگیز ثابت ہوتا ہے —— اِن سطروں کے ناچیز راقم کا ہی نہیں، غالباً تمام ہی رفقاءِ درس کا تاثر تو یہ ہے کہ اگر ہمیں اس معہد میں آنے کے بعد صرف حجۃ اللہ البالغہ کا مذکورہ درس ہی ملتا، تب بھی ''تمام نفع'' ہی تھا، سچی بات یہ ہے کہ اسلام کی تفہیم وتشریح کا جو انتہائی معقول، مربوط، جامع اور معتدل انداز امام ولی اللہ دہلوی کو ملا تھا اور جس کو انھوں نے اپنی چند تصنیفات، بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ میں پیش کیا ہے اگر کسی عالم دین کو اس پر عبور حاصل ہوجائے، تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دور حاضر کے فکری انحرافات سے نہ صرف یہ کہ خود محفوظ رہے گا بلکہ اسے دین کی تفہیم وتشریح کا ایسا سلیقہ حاصل ہوجائے گا کہ وہ دور جدید کے مشکوک اور منتشر دماغوں کو یکسوئی واطمینان اور مریض دلوں کو یقین وایمان کی عظیم دولت فراہم کرسکے گا۔

درس تفسیر

قرآن کریم تا قیامت آنے والے سارے انسانوں کے لئے اُن کے شفیق رب کی طرف سے ہدایت نامہ ہے، اس میں صرف دور اول ہی کے لئے نہیں بلکہ ہر دور میں پیش آنے والے حالات کے لئے رہنمائی موجود ہے، چنانچہ دورِ اول سے آج تک اصحابِ نظر مفسرین عظام نے اپنے اپنے زمانے میں اُس وقت کے حالات کے بارے میں قرآن کریم سے رہنمائی اخذ کرکے ابناءِ زمانہ کے سامنے پیش کی ہے۔

آج بھی اِس بات کی ضرورت اور علمائے امت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مفسرینِ سلف سے پوری طرح مربوط رہتے ہوئے اور اُن کی اب تک کی گراں قدر تحقیقات سے مکمل فائدہ اٹھاتے ہوئے موجودہ دور میں درپیش حالات کے متعلق قرآن کریم کی عبارات ودلالات اور اشارات واقتضاءات کی روشنی میں رہنمائی اخذ کریں۔ اور امت اور انسانیت کے سامنے پیش کریں۔

یہ راقم یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے کہ ہمارے مدارس میں زیر تعلیم اکثر باذوق طلبہ کو یہ احساس رہتا ہے کہ دوران درس ہمیں قرآن مجید کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے اور ایک زندہ کتاب ہدایت کی حیثیت سے اس پر غور وفکر کا طریقہ سیکھنے کا موقع کم ہی ملتا ہے، ہم سنا کرتے تھے کہ ہمارے ملک میں جو علماء فہمِ قرآن کا خاص ذوق رکھتے ہیں اور سلف کے مزاج ومنہاج کی پابندی کرتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کا ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے یہ عظیم اور سدابہار کتاب بالکل تروتازہ نظر آنے لگتی ہے اور تازہ ترین حالات ومسائل کے سلسلہ میں اس سے نہایت تشفی بخش رہنمائی حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے، اُن میں حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی کا نام نمایاں مقام کا حامل ہے —— ہمارے لئے مقام شکر ہے کہ معہد الامام ولی اللہ کی بدولت ہمیں ایک ممتاز مفسر قرآن سے اس اہم ترین گوشۂ علم میں بھی استفادہ کا بہت اچھا موقع مل رہا ہے۔ بلا مبالغہ ہر درس میں یہ یقین بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ آج کے تمام مسائل کا یقینی حل اس عظیم کتاب میں موجود ہے۔ بس ضرورت ہے اسے سمجھنے کی اور صحیح اسلوب میں امت اور انسانیت کے سامنے پیش کرنے کی۔ محترم قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ ہم طلبہ کو قرآن میں تدبر کی توفیق اور اس کا صحیح فہم بھی نصیب فرمائے اور اس کے ایک ایک حرف پر عمل کرتے ہوئے اس کے پیغام کو عام کرنے کی ہمیں زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے۔

(۳) درس حدیث

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے قدیم مدارس میں بظاہر حدیث کی مستند کتابوں کا درس نہایت اہتمام سے دیا جاتا ہے لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ عام طور پر درس حدیث کا جو انداز اختیار کیا جاتا ہے اس میں کلامی اور مسلکی مباحث ہی زیادہ تر چھائے رہتے ہیں، اور کم از کم طلبہ کا ذہن ودماغ ایک مسلک کی ترجیح اور دوسرے مسلک کی تضعیف ہی کے اردگرد گھومتا رہتا ہے۔ معہد الامام ولی اللہ الدھلوی میں حدیث نبوی پر غور ومطالعہ کے سلسلہ میں ہمیں امام ولی اللہ دہلوی کے اختیار کردہ طرز سے تفصیلی طور پر

آشنا کرانے کی اور ہمارے اندر اس کا ملکہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم اب تک جو کچھ سمجھے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث نبویہ دراصل اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب کے خدوخال واضح کرنے والا اور اس کی جزئی و تفصیلی حدود متعین کرنے والا سب سے اہم ماخذ ہے، ایمانی واحسانی کیفیات ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا اخلاق، معاشرت ہو یا سیاست، گھریلو نظم وانتظام کا معاملہ ہو یا حکومت کے انتظام وانصرام کا معاملہ، زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اسلام کے مبنی برفطرت احکام اور ان کی حکمتوں اور مقاصد کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید کے ساتھ احادیث نبویہ پر غور کرنا اشد ضروری ہے۔ اس لئے احادیث نبویہ کے درس کی اصل غرض وغایت ''مسلکی مباحث کے بجائے پورے دین کی حقیقت، اس کے مقاصد ومصالح اور اس کی حکمتوں کو سمجھ کر اپنے اندر جذبۂ عمل کا پیدا کرنا'' ہونا چاہئے۔

ہم نے یہاں اپنے استاذ مکرم سے ان کے والد ماجد عظیم شارح حدیث اور ولی اللہی علوم وافکار کے ممتاز ماہر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہٗ کے حوالے سے یہ اہم بات کئی بار سنی کہ ''حضرت شاہ ولی اللہ احادیث کے درس کا جو طرز رواج دینا چاہتے تھے، اس کا نمونہ حجۃ اللہ البالغہ ہے، جسے بعض پہلوؤں سے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح کا نام بھی دیا جاسکتا ہے —— اور جہاں تک فقہی مباحث کا سوال ہے تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پرزور رائے یہ تھی کہ اس کے لئے موطا امام مالک کو اصل درسی کتاب قرار دیا جائے'' —— چنانچہ اسی ولی اللہی طرز پر عمل کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ کے درس کے علاوہ اس معہد ولی اللہی میں موطا امام مالک بروایت امام محمدؒ (جسے موطا امام محمد کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) کا درس دیا جاتا ہے اور یہ درس بھی حضرت الاستاذ خود ہی دیتے ہیں۔ ——

اس درس سے جو فوائد ہم طلبہ کو ہو رہے ہیں، ان کو تفصیل سے ذکر کرنے کا تو یہاں موقع نہیں ہے، تاہم مختصراً عرض ہے کہ اگر ایک طرف حجۃ اللہ البالغہ کے درس سے ہم کو اسلامی شریعت اور دنیا کی دوسری تہذیبوں کے تقابلی جائزے کا موقع ملتا ہے اور اسلام کو تمام انبیاء کے لائے ہوئے دین فطرت کی حیثیت سے سمجھنے کا موقع ملتا ہے تو دوسری طرف موطا امام مالک کے درس سے ہمیں فقہائے کرام کی مختلف آراء کی بنیادوں کے بارے میں مثبت طور پر واقفیت حاصل کرنے کا، اور تمام مسالک کے وجوہ استدلال کے حسن کو جاننے کا موقع ملتا ہے، نیز ہمیں اپنے اندر اپنے اپنے مسلک پر زیادہ علمی انشراح کے ساتھ استقامت کے

ساتھ ساتھ، ضروری حد تک توسع اور تحقیقی ذوق بھی پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے، جس کی دورِ جدید میں یقیناً سخت ضرورت ہے۔ بس دعا ہے کہ اللہ ہمیں ان مواقع سے بھرپور استفادہ کی توفیق بھی عطا فرمادے۔

کچھ مزید تعلیمی سرگرمیاں:

مذکورہ بالا ان تین اہم دروس کے علاوہ ''معہد'' میں کچھ اور تعلیمی سرگرمیاں بھی ہوتی ہیں:

(۱) انگریزی: علماء کے لئے (اگر ان کو موقع میسر ہو) یہ مناسب ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام کی عالمگیر دعوت واشاعت کی مصلحت اور سہولت کے پیش نظر اپنے وقت کی رائج عالمی زبان پر کم از کم تکلما و کتابۃً صحیح افہام وتفہیم کی قدرت اپنے اندر پیدا کریں۔

اب اِس وقت چونکہ رائج عالمی زبان جو دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے وہ انگریزی ہے، اس لئے معہد میں ایک کارگر وسیلہ کی تحصیل کے طور پر انگریزی سکھائی جاتی ہے۔

اور الحمدللہ ہمارا معہد اس زبان، اس زبان والوں اور ان کی تہذیب سے حبّہ برابر بھی مرعوب نہیں ہے اور وہ اس احساس سے بالکل بالاتر ہے کہ اس زبان سے (العیاذ باللہ) ہمارا معاش متعلق ہے، اس کو صرف اور صرف دعوتی مصلحت وسہولت کے پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

(۲) سائنس، جغرافیہ، معاشیات وسیاسیات کے مبادی اور معلومات عامہ: ان مضامین سے متعلق بھی ضروری معلومات ہم طلبہ کو فراہم کی جاتی ہیں تاکہ ہم ان مضامین کی بنیادی معلومات سے ہم بالکلیہ ناآشنا نہ رہیں اور بوقت ضرورت یہ معلومات ہمارے کام آئیں۔

(۳) محاضرات: ہمارے معہد میں مختلف موضوعات پر توسیعی محاضرات کے سلسلہ میں ممتاز اہل علم وفکر کی تشریف آوری بھی ہوتی رہتی ہے۔ ابھی دو ماہ قبل ممتاز عالم وفقیہ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی قاسمی استاذ ندوۃ العلماء ورئیس معہد الشریعۃ لکھنؤ کو معہد میں مدعو کیا گیا تھا، انھوں نے متعدد اہم موضوعات پر پانچ قیمتی محاضرات پیش فرمائے تھے، جن سے ہم طلبہ کو بہت نفع ہوا۔

ابھی دو روز قبل گجرات کے مدرسہ جامعۃ العلوم، ہمت نگر کے بانی ومہتمم جناب مولانا سیف الدین صاحب نے ''دورِ حاضر میں ایک جامع نظام تعلیم کی ضرورت اور امکانات پر ایک نہایت معلومات افزا محاضرہ پیش کیا—— اطلاع ہے کہ مستقبل قریب میں چند اور ممتاز علماء کی آمد متوقع ہے۔

(۴) طلبہ کے محاضرات: ہر چند روز کے فاصلے سے اساتذۂ معہد کی نگرانی میں ہم طلبہ کو مختلف موضوعات پر تحقیقی محاضرات پیش کرنے کی بھی مشق کرائی جاتی ہے۔

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ معہد میں فارغین کا داخلہ دوسال کے لئے لیا جاتا ہے سرگرمیوں کی جو تفصیل اب تک ذکر کی گئی وہ سال اول کے طلبہ کی ہے، سال دوم کے طلبہ کو پورے سال محنت اور تحقیق کر کے منتخب کردہ موضوعات پر ''تحقیقی مقالات'' پیش کرنے ہوتے ہیں۔

معہد کی ایک اور اہم خصوصیت:

یہ معہد خانقاہ نعمانیہ مجددیہ کے احاطہ کے اندر ہی واقع ہے، جہاں بکثرت طالبین آتے رہتے ہیں جس میں روزانہ بعد نمازِ عصر حضرت الاستاذ کی اصلاحی مجلس ہوتی ہے جس میں اصلاح نفس کے حوالے سے بہت ہی قیمتی اور نفع بخش مضامین بیان ہوتے ہیں، جن سے ہم طلبہ کو اپنی تربیت کے سلسلہ میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں خانقاہ کی دو ماہانہ مجلسیں: ایک علماء کے لئے اور ایک عمومی، ہوتی ہیں، ان مجلسوں سے آنے والے سالکین وطالبین تو فائدہ اٹھاتے ہی ہیں ہم طلبہ کو بھی ان سے مختلف اعتبار سے بڑا نفع پہنچ رہا ہے اور ''درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق'' کا ذوق سیکھنے کا ایک نادر موقع بھی مل رہا ہے۔

یہ ہیں ہمارے معہد الامام ولی اللہ الدھلوی للدارسات الاسلامیہ کی چند جھلکیاں جو راقم نے ڈرتے ڈرتے صرف اپنے ان رفقاء کا حق سمجھ کر سپرد قلم کی ہیں جو آئندہ کے لئے سوچ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ حضرت والا کو اور معہد کے تمام کارکنان ومعاونین کو ہم طلبہ کی طرف سے اپنی شایان شان جزائے خیر عطا کریں اور حضرت والا کے لگائے ہوئے اس پودے کو ''شجرۃ مبارکۃ''، ''شجرۃ طیبۃ'' اور ''شجرۃ طوبیٰ'' بنادیں۔ آمین

☆☆☆